حیاتِ جاودانی

معروف بہ حیاتِ تسلیمِ کامل

یعنی

ملک الشعرا چراغِ خاندانِ مومن و نسیم جناب شیخ امیر اللہ مرحوم تسلیم
لکھنوی کی مکمل اور بالتصویر سوانح عمری جسکو بعد ترمیم و توضیح حیاتِ تسلیم
مطبوعہ لاہور جناب مولانا مولوی ضمیر الدین احمد صاحب عرشی مقیم گیا
تلمیذ جناب تسلیم نے تالیف فرمایا

اور

سید فضل الحسن حسرت موہانی۔ بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلی نے

اپنے

اردو پریس علی گڑھ میں
چھاپا اور شایع کیا

قیمت فی مجلد (بہ کاتب محمد منظور الحق کولوی عفی عنہ) ۸ر مع محصولڈاک

تصانیفِ مولانا عرشؔ مدظلہٗ

۱- دیوان نظم نونگار - جو مجموعہ بہار ہے - معہ ضمیمہ متروکات رشک جسمیں جملہ اقسام کی نظمیں موجود ہیں - اور جسکی بابت میر خورشید علی نفیس خلف انیس - مرزا جعفر صاحب اوج خلف دبیر - علامہ حضرت شمشاد - حضرت امیر مینائی - داغ - ملک الشعرا تسلیم وغیرہ نے اپنی تقریظوں اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ کتاب بلحاظ زبان پورب کی بو باس سے پاک ہے - نازک خیالی - بلند پروازی درد انگیزی میں اپنی آپ نظیر - عرصہ سے مرتب ہو کر تیار ہے اور معتبر مطبع کو اسکا حق تصنیف دیا جا سکتا ہے -

۲- بارگاہ سلطانی - آگرہ اور دہلی کی مفصل تاریخ - اسکی تحریر کسی حالت میں آبحیات سے کم نہیں بلکہ درد انگیزی میں بڑھی ہوئی ہے شاید اس آب و رنگ کی صحیح تاریخ اردو زبان میں اس وقت تک مطبوع نہیں ہوئی کچھ زیادہ طول نہیں اسکا معاوضہ بھی بہ شرط [illegible] طے ہو سکتا ہے صاحبان مطبع ان نادر کتابوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیں -

مہتمم

سید صلاح الدین احمد خلف حضرت عرشؔ - گیا معرو گنج

امیر مینائی مرحوم کی سوانح عمری داغ و امیر کے کلام کا موازنہ
اور امیر مرحوم کے مکتوبات

جسکا تاریخی نام خطوط منشی امیر احمد ہے - مولوی محمد احسن اللہ خاں ثاقب نے تالیف فرما کے پہلے ایڈیشن کا حق طبع راقم کو عطا کیا ہے -

کتاب کا حجم ۳۰۰ صفحوں سے زیادہ ہے اور شروع میں امیر مرحوم کی عکسی ہاف ٹون تصویر بھی لگائی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

اس مجموعے کی مولانا شبلی - مولانا حالی - مولوی سید علی حید صاحب طباطبائی نظم لکھنوی - شاد عظیم آبادی امیر احمد صاحب علوی اور حسرت موہانی وغیرہ نے بہت کچھ تعریف کی ہے - کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی تقریظیں بجائے خود قابل دید ہیں -



یادگار مومن و نسیم منشی امیراللہ صاحب تسلیم لکھنوی (مرحوم)

Block by the courtesy of
The Editor, "Adeeb," Allahabad.

Indian Press, Allahabad.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے　　ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

وہ میاک رات جس کی دلکش محفل کے فرش پر شاہ حاتم۔ درد۔ مومن و نسیم سے اساتذہ جلوہ افروز تھے گذر چکی۔ صبح کے آثار ظاہر ہو گئے۔ لو وہ تارے بھی جو ابھی آنکھوں سے اس پر لطف نظارے کو دیکھ چکے ہیں ذرا دیر پہلے تک تھے اب وہ بھی ڈھونڈے سے کہیں نظر نہیں آتے۔ ہاں اک جھلملانے والی شمع البتہ اس پر شکن فرش پر باقی ہے اور اس زار رونے والی کو نسیم کے فنا کرنے والے جھونکے گھیرے ہوئے ہیں شاید کوئی دم میں یہ بھی مرے مٹے پتنگوں کو روپیٹ کر رخصت ہو جائے۔ اس سناٹے کے وقت میں گجر کا تھم تھم کر چپاتی پیٹنا بھی صدمۂ جانکاہ اور ماتم سے کم نہیں۔

ناظرین۔ صبح کا وقت سیر باغ کے لیے قدرتی طور پر موزوں ہے۔ آؤ ہم بھی گلشن نظم کی سیر کریں۔ دیکھو تو سہی سرو کیوں عالم تحیر میں کھڑا ہے سنبل کو پیچ و تاب تو نرگس کو حیرت۔ گلوں کو چاک دامانی کا خبط۔ پتے ہر شجر کے کف افسوس مل رہے ہیں۔ ولایتی پھولوں سے تختہ چمن بھرا پڑا ہے۔ مگر نہ کہیں نام کو بو ہے نہ باس۔ شبنم الگ رو رہی ہے۔ مرغان سحر کی صورت پر گھبراہٹ نمایاں۔ فوارے ہیں کہ رہ رہ کر اپنا سر زمین پر پٹکتے ہیں۔ نسیم کا دامن شمیم روح پرور سے خالی۔ گلچیں غریب اس تشویش میں ایک طرف چپ کھڑا ہوا کہ ان پھولوں کو آخر چنکر کریں تو کیا کریں جیسا کہ رنگین ادا کے کام کا نہیں ہائے غالب ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں　　خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

سلسلہ فدایانِ رنگِ مومنؔ و نسیمؔ وہ جھلملانے والی شمع اور وہ گلچیں جسکو آپ ابھی ابھی سامنے والی محفل اور قریب والے باغ میں دیکھ چکے ہیں اس دورِ آخر میں اُستاد تسلیمؔ کی ذات ہی۔ لاریب کہ دلّیِ مرحوم کے مزارِ سخن کا چراغ اب آپ ہی کے دم سے روشن ہی۔ گو ذات سراپا صفات پر بوجہ سکونت لکھنؤ کو ناز ہے مگر شاعری کے وطن ہونے کا شرف مرحوم دلّی ہی کو حاصل ہوا۔ ہائے دلّی۔ وہ نقش سے

خاک اڑتی تھی مزارِ غالبؔ و مجروحؔ پر | رنج کیا کیا ہے گئی دلّی کی ویرانی مجھے

گو قبلِ تلمذ ہی زمانہ قیام بنارس و مرزاپور میں میرا یہ خیال تھا کہ اُستاد تسلیمؔ کی سوانح عمری لکھوں مگر کثرتِ حاجات اور فکرِ معیشت کی الجھنوں نے موقع نہیں دیا مگر شرف تلمذ حاصل ہونے کے بعد منشی محمد الدین فوقؔ سابق اڈیٹر پنجہ فولاد لاہور کی تحریک سے ایک کتاب موسوم بہ حیاتِ تسلیم مرتب کی اور حق تالیف بھی فوقؔ صاحب کو ہبہ کر دیا۔ پھر بھی مقدر کی خوبی کہ وہ کتاب بے تعلقی اور تحریری غلطیوں سے بھری ہوئی مطبوع ہوئی اور کاتب نے اور بھی غارت کر ڈالا۔ جس کا اعتراف جا بجا اختتام کتاب پر فوقؔ صاحب نے ازراہ انصاف خود کیا ہے۔ مگر پھر بھی اس لحاظ سے وہ کتاب واجب التعظیم ہو گئی کہ اس میں عمر ہشتاد سالہ کا پہلا فوٹو استاد تسلیمؔ کا چھپا اور پہلے ادنیٰ و اعلیٰ کو اوّل اوّل اسکی ذریعہ سے شرف زیارت حاصل ہوا۔ سوانح عمری کے لحاظ سے بھی وہ پہلی کتاب ہندوستان میں قرار پائی۔ اسکے پہلے کوئی بسیط تذکرہ استاد تسلیمؔ کا کسی جگہ موجود نہ تھا۔ بالخصوص منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ اور سید ابن علی صاحب اڈیٹر اعظم مرادآباد وغیرہ نے نہایت فاضلانہ طولانی ریویو اپنے پرچوں میں کر کے یہ ثابت کیا کہ یہ کتاب بلحاظ عبارت بھی آبحیات مولفہ شمس العلما آزاد دہلوی کا ایک حصہ ہی وغیرہ وغیرہ پھر ۱۹۱۱ء میں دیوان سوم مصنفہ جناب تسلیمؔ مع صاحب مطبع کی تحریک سے استاد تسلیمؔ کا جدید فوٹو چھپکر شائع ہوا اور عیشؔ صاحب نے یہ ثابت کیا کہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل۔ حالانکہ یہ نقش اسی نقش کا خاکا ہی جسکو عمر ہی میں اوّل اوّل میری ضد سے

سلسلہ میر مہدی مجروحؔ۔ شاگرد غالبؔ

استاد تسلیم نے مراد آباد جاکر تیار کرایا تھا۔ اس دیوان میں جناب شہزادہ صادق یادگار شہزادہ جیا دہلوی مقیم رامپور نے باوجود منع کرنے جناب تسلیم کے کچھ عبارت بطور سوانح عمری لکھی ہی۔ اس منزل دشوار میں میرے ہی نقش قدم نے صادق صاحب کو خضر راہ کا کام دیا ہی مگر آپ نے ملکی قدر دانی اور مقبولیت کے خلاف ہزار سال بعد اسکا شکریوں ادا فرمایا۔ کہ "اگرچہ منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش تلمیذ تسلیم نے ایک رسالہ حیات تسلیم نامی لکھا ہے لیکن طرز بیان اور نفس مطلب میں کچھ ایسی پیچیدگیاں اور غیر متعلق واقعات کچھ اس کثرت سے درج ہیں کہ جن کی وجہ سے رسالہ مذکور کو فن تاریخ میں سوانح عمری کے ذیل میں جگہ ملنا مشکل ہے اس لئے اس کا عدم وجود برابر"

مرحبا۔ جزاک اللہ یہ اڈیٹر صاحب اور وہ ہیچ کے اس جملہ کا غالباً جواب ہے کہ حیات تسلیم لکھکر عرش نے ملک پر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی مشاہیر کی حالت لکھے تو اس طرح لکھے وغیرہ۔

اب دیکھیے کہ تکملہ حیات تسلیم پر صادق صاحب کیا گلفشانی کرتے ہیں۔

اگر مولانا حسرت اڈیٹر اردوے معلی نے حسب وعدہ اس کتاب کو بصحت تمام چھپوا کر شایع کر دیا تو مجھے منصف مزاجوں سے بڑی توقع داد کی ہی اور شاید ناظرین اس سے زیادہ اچھی سوانح عمری جناب تسلیم کی کوئی اور نہ پائیں گے۔ اس کے ضمن میں اکثر مفید اور دلکش واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جو ملکی نفع سے خالی نہیں۔ مجھے توقع ہے کہ جناب نواب مصطفےٰ علی خانصاحب پرائیویٹ سکریٹری نواب صاحب بہادر رامپور بھی اسکو اپنے ملاحظہ کا شرف بخش کر سرکار رامپور میں پیش کر دیں گے۔ کہ اس دیرینہ خادم تسلیم کی عزت افزائی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

کفش بردار تسلیم **عرش** مقیم گیا۔

جس وقت کاتب ازل نے دفتر کن کے اس صفحہ پر خامہ فرسائی شروع کی تھی جو شعرائے زبان اردو کے لیے مخصوص تھا تو شجرۂ شاہ حاتم کے آخر میں شیخ امیر اللہ تسلیم کا نام ہی آب زر سے رقم کر دیا تھا یہی باعث ہوا کہ آپ کی ذات منقطع خاندان امام الشعراء خاتم ہوئی۔

گلبند باغ مضامین حکیم مومن خانصاحب جن کے گلہائے فکر کی بہار مرحوم اصغر علی خاں نسیم کی سلاست روی سے زیادہ نمایاں ہوئی ہر طرح قدم لینے کے لایق تھے جنکے یادگار آخر یعنی جناب تسلیم کی طبیعت کے آب و رنگ کا جواب آج چمنستان عالم میں چراغ لیکر بھی ڈھونڈھئے تو کہیں نظر نہیں آتا سچ تو یوں ہے۔ تسلیم ؎

ہوا کرتی ہے زینت غیب سے رنگیں اداؤں کی
سدا شبنم دھولا کرتی ہے منہ گلہائے خنداں کا

ولادت۔ نام۔ وطن۔ شرف خاندانی

سنہ ولادت آپ کو یاد نہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ اپنی والدہ سے سنا کیا کہ پیدائش میری اسی سال ہوئی جب غازی الدین حیدر کو اختیارات شاہی انگریزوں نے عطا کیے۔ غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر نے دس دس سال اور محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ نے پانچ پانچ سال شاہی کی بعد ازاں واجد علی شاہ کا زمانہ آیا اور سنہ کے غدر نے اپنی ہیبت ناک صورت دکھلائی۔

نام آپ کا احمد حسین اور عرف امیر اللہ اور تخلص تسلیم ہے۔ امیر اللہ آپ کے والد کے پیر مولوی عماد اللہ صاحب کا عطیہ نام ہے اور اسی نام سے آپ کا نام عالم میں روشن ہے۔ ولادت آپ کی منگلیسی نواح فیض آباد اودہ میں ہوئی۔ آپ کے وطن ہونیکا شرف بدیع الشرف سے عوف بدوست مضافات دریا آباد کو حاصل ہے مصیبت غدر کی وطن ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم شریف مولوی عبد الصمد صاحب تھا وہ زمینداروں کی مالضامنی کیا کرتے تھے اور حسن پور بہارپور دو گاؤں بھی رکھتے تھے محتاج ملازمت نہ تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف بھی کاروبار آبائی میں مصروف

سے تھے یعنی اُس وقت کہ ناظم دریا آباد کے گیارہ ہزار روپیہ کے ضمانتی بقایا کے عوض آپکے والد اور بھائی بدرجہ آخر قید ہوئے۔ شدایدِ مفرستے تکلیف زنداں کم نہ تھی آپ کے دادا صاحب یعنی شیخ امان اللہ تاب نہ لا سکے جملہ اسباب تک فروخت کر ڈالا اور دونوں مواضعات رام سنگھ قوم چندیلہ کے پاس گرو کر کے زر بقایا ادا کر دیا اور بیٹے پوتے دونوں کو قید سے چھوڑا یا۔ جہاں شاہی کر چکے تھے گدائی کس طرح کرتے۔ رعیت بنکر مرہونہ گاؤں میں رہنا گوارا نہوا۔ بدوسرا کو ترک کر کے چندے فیض آباد میں قیام کیا مگر اس وقت کا فیض آباد اس لایق نہ تھا کہ وہاں کوئی صورت معاش نکالی جاتی آخر لکھنؤ چلے آئے اور عہد محمد علی شاہ بادشاہ میں آپ نے حصول اعزاز کے لحاظ سے قدیم بزرگوں کی وضع کے مطابق ملازمت سپہگری کے طرف رخ کیا (خدا مرحوم غالب کو جوارِ رحمت میں جگہ دے وہ بھی تا دمِ مرگ اسی پر نازاں رہے فرماتے ہیں

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اور عہدۂ او شداری تک پہنچے اس زمانے میں او شدار پانسو سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا تیس روپیہ ماہوار آپ کو ملا کرتے تھے کسی طرح سفید پوشی کے نباہ کی صورت تھی ورنہ کھوئے ہوئے آرام کا ملنا تو خواب و خیال میں بھی ممکن نہ تھا۔ ہاں کچھ ہو نہ ہو قرب سلطانی کا شرف ضرور حاصل تھا۔ اسی زمانہ کو یاد کر کے آج حضرت تسلیم یوں نالاں ہیں آہ ؎

اٹھوائے تسلیم ہیں پامالِ ہر خوار و ذلیل کیا کریں ہم اعتبارِ خاندانی پر گھمنڈ

ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

ناز اٹھاتا ہوں کس و ناکس کے اے تسلیم میں اب کہاں اگلا طریق میرزایانہ مرا

حالت تعلیم اور ملازمت شاہی

آپ نے فارسی کی ساری ابتدائی و انتہائی کتابیں اپنے والد عبد الصمد و مولوی شہاب الدین مغفور شاگرد مرزا ناطق مکرانی سے اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف سے کہ فاضل جلیل القدر مولانا مولوی محمد ولی اللہ صاحب

مغفور کے شاگرد تھے پڑھیں یہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب نہیں ہیں جن کا ذکر حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں غلطی سے کیا گیا ہے۔ وہ ایک درویش باکمال بڑے اچھے فقیر تھے۔ استاد تسلیم نے عقیدت کی راہ سے ان کے وصال کی تاریخ درج کلیات کی ہے تعلیم عربیہ کی بابت لکھتے ہیں (از گرامی نامہ تسلیم) جناب مولوی عبد الاحد صاحب شمشاد فرنگی محلی لکھنوی کے بزرگوں کے فیض سے مجھے چار حرف آگئے ہیں کیونکہ میرے والد اور بھائی ان کے بزرگوں کے کفش بردار تھے اور میں ان لوگوں کا۔ حضرت شمشاد کو میں باوجود کبیر سنی کے مخدوم و مکرم جانتا ہوں "

استاد تسلیم کی دستگاہ عربی و فارسی نہایت قابلانہ اور فاضلانہ ہے۔ اور درس تدریس سے بھی دوران ملازمت رامپور میں خاص تعلق رہا ہے تحصیل علم کا شوق یہاں تک تھا کہ عربی کی تکمیل رامپور میں مولوی سلامت اللہ صاحب سے کی یہ بھی بزرگان قدیم کی اک شان تھی فن خوشنویسی میں آپ منشی عبدالحی صاحب سندیلوی سے کہ آپ کے والد کے بڑے دوست تھے تلمذ حاصل ہے اسی عہد کی خوشنویسی کو آپ فرماتے ہیں کہ ؎

اب کہاں تسلیم قدر خوشنویسی دہر میں — ہنر فن کے بکتے تھے اک اک سر بازار حرف

مطبع نولکشور کی ملازمت اسی بنا پر تھی اور صریح طور پر کتابت کلیات امیر اللہ تسلیم اسکی شاہد ہے جس کو ہمارے دیرینہ مکرم منشی فدا علی عیش لکھنوی یادگار منیر نے جو ابھی چند سال قبل تک زندہ تھے تقریظ میں یوں ظاہر کیا ہے کہ (بہ تصحیح تمام و تنقیح مالا کلام بخط خاص مصنف علام طبع ہو کر مطبوع طبائع عشاق انام و پسندیدہ کافہ خاص و عام ہوا)

فن شاعری کے جمیع رموز سخن کی تکمیل نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی شاگرد مومن سے کی یہ اس زمانے میں دلی کو چھوڑ کر لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کے دوستوں میں سے تھے یہی وجہ ان سے اصلاح لینے کی بھی ہوئی آپ کی شاعری کا سلسلہ شاہ حاتم تک اس طرح ملتا ہے تسلیم شاگرد نسیم نسیم شاگرد مومن مومن شاگرد شاہ نصیر۔ نصیر شاگرد شاہ محمدی مائل۔ مائل شاگرد قیام الدین قائم۔ قائم شاگرد مرزا رفیع سودا و درد علیہ الرحمۃ۔ سودا شاگرد امام الشعرا شاہ حاتم۔ [illegible] سخن

آپ کو صغیر سنی میں پلٹن والوں کی صحبت میں حاصل ہوا کہ وہاں اکثر اپنے والد صاحب کے ہمراہ چلے جایا کرتے تھے۔ ابتدائی اشعار کا نمونہ جن دنوں آپ خود کہتے اور اس کا مزا اٹھاتے تھے غدر میں تلف ہو گیا البتہ یہ دو ایک شعر اب تک آپ کو یاد ہیں تسلیم

رہ گیا ہم گشتہ مجنوں گرد محمل دیکھکر — کاوش تقدیر ہو تو خاک بھی ملتی نہیں
اگر بیٹھا نہیں تھک کر کسی کے نخل ماتم پر — عزا کی بو مجھے آتی ہے کیوں بال کھولے ہیں

دنیا کی روش کے مطابق زمانہ صغیر سنی میں آپ کی پرورش اپنے بزرگوں میں ہوئی ہوش سنبھالنے اور تعلیم پانے کا وقت لکھنؤ میں آیا ہمیں آپ کم عمری میں اپنے والد کے ہمراہ پلٹن میں آنے جانے کے سبب سے پہلے سپاہیوں میں نام زد ہی ہو گئے عمر لایق بجا آوری ملازمت نہ تھی مگر شاہی زمانہ تھا تنخواہ بغیر خدمت مل جایا کرتی تھی خداوند عالم نے دنیا کا ہر کام اپنے وقت پر مقرر کر رکھا ہے جب آپ کے باغ شباب کا سبزہ نسیم بہار قدرت سے ہرا ہوا آپ کے والد کے باغ عمر میں خزاں آگئی ضعف بہت بڑھ گیا خدمت کے لایق نہ رہے یہاں تک کہ بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی عرضی گذرانی کہ خانہ زاد بہ سبب پیرانہ سالی و علالت قابل بجا آوری خدمت نہ رہا۔ امیدوار ہوں کہ میرا لڑکا مسمی محمد امیر اللہ کہ نوجوان اور پڑھا لکھا ہے میری نوکری پر عوضی مقرر کیا جائے۔ محمد علی شاہ بادشاہ نے دست خاص سے یہ حکم لکھا کہ (موافق سوال سائل بعمل آرند) چنانچہ اب دفتر سلطانی میں آپکا نام بعہدہ جمعداری درج کر دیا گیا اور وہی تیس روپیہ ماہوار جو آپ کے والد کو ملا کرتے تھے اب آپ کو ملنے لگے عہد قدیم کی حق شناسی سے ظاہر کہ زمانہ موجودہ میں یہ باتیں ہندوستانی ریاستوں میں بھی گویا نہ رہیں۔ نیا دربار اور نئے درباری نظر آتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب لکھنؤ میں مستقل طور پر رہ کر نسیم جنت مقیم سے تکمیل فن کی اور ہر وقت بادۂ سخن کا جام منہ سے لگا رہا قریب قریب یہی وہ وقت تھا جس کی بابت لکھتے ہیں (گرامی نامہ تسلیم) محبی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام و نیاز کے متظہر مدعا ہوں سب طرح خیریت ہے آپ کی تندرستی ایزد تعالے سے چاہتا ہوں۔ عنایت نامہ آیا خوش ہوا۔ اگلے شعرا کی حالت کیا لکھوں میں نے ناسخ و آتش

کو دیکھا ہی مگر اس وقت میں کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ ٹکسال جو محلہ چوک میں ہے ناسخ وہیں رہتے تھے صبح و شام پھاٹک پر آ بیٹھتے تھے چھوٹے بچوں سے ہنسی دل لگی کر کے کچھ سودا کھانے پینے کا دلوا کر کمرے میں جا بیٹھتے تھے۔ پھر شاگردوں سے یا اور احباب سے صحبت رکھتے تھے۔ اور آتش مرحوم کو بھی بہت دیکھا جس محلہ میں رہتا تھا اسی محلہ میں وہ تھے۔ ان کے بیٹے جوہر سے بھی ملاقات تھی کیا کہوں وہ کیا زمانا تھا۔ بحر۔ رشک۔ اسیر۔ صبا۔ سحر۔ وزیر۔ قبول۔ فرخ۔ نشتر۔ وغیرہ سے بھی ملاقات تھی مگر نہ ایسی کہ ان کے حالات کمالات سے بہرہ مند ہوتا۔ ان کے بعد منیر۔ جلال۔ اوج۔ جان صاحب۔ امیر۔ داغ۔ ہندی وغیرہ ان صاحبوں سے رامپور کی ملازمت کی وجہ سے ملاقات تھی۔ اکثر آنا جانا تھا۔ مگر کوئی حال کسی طرح کا نہیں معلوم ہوا اور یہ سب بھی مر گئے ان کے ملنے والوں میں حضرت جلال یا داغ۔ زندہ ہیں یا اُن کا کفش بردار یہ فقیر حقیر میرے عقیدے میں یہ سب اپنے فن میں بڑے کامل تھے اور نہایت مشاق ان کا ہم پایہ اس زمانہ میں کسی کو نہیں پاتا۔ نکات فن اور تحقیق میں نہایت بہرہ یاب تھے اور زیادہ کیا لکھوں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی داغ دے گئے۔ ان کے انتقال کو سنکر بڑا صدمہ ہوا۔ مگر سوائے صبر و دعائے خیر کیا چارہ ہے؎ ہمرہاں رفتہ و ما نیز براہ سفریم۔ رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۲۔ شوال ۱۳۲۲ھ ہائے غالب؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جس کی آنکھوں کے سامنے ایسی ایسی بولتی ہوئی تصویریں غائب ہو گئی ہوں اسکے دل و دماغ کو کیا پوچھتے ہو۔ آفریں اس ذوق پر کہ اب تک کچھ نہ کچھ فرما ہی لیتے ہیں مگر کہاں وہ صحبتیں اور کہاں کمیٹیوں کے جلسے خود فرماتے ہیں؎

مسخرا پن ہے قائل شاعری تسلیم اب
یہ دعا مانگو لگا دے اے خدا اس فن کو آگ

تو ہی بتلا کیا کریں تسلیم ایسی بزم میں
جس میں سب استاد ہوں اور نکتہ داں کوئی نہ ہو

غرض اپنے والد کے زمانہ پیرانہ سالی سے ان کے انتقال تک آپ برابر فرائض اوشداری ادا کرتے رہے۔ اتفاق وقت کہ ڈاک کی عدم حفاظت کے باعث

سرکار انگریزی کیطرف سے شکایتیں ہوئیں اور عتاب سلطانی کے سبب سے وہ کمپنی ہی
برطرف کر دی گئی جسمیں آپ اوستاد رکھے۔ یہانتک کہ سب کے ساتھ آپ بھی بیکار ہو گئے مگر اس
بیکاری میں تکمیل فن کا خیال رہا یہانتک کہ درباری شعرا میں داخل ہونے کی صلاحیت ہو گئی
چنانچہ ایک روز بہمراہی اپنے جلیل القدر دوست کپتان مقبول الدولہ احسان الملک مرزا
مہدی علی خاں قبول شاگرد رشید امام بخش ناسخ نور اللہ مرقدہ مفصلہ ذیل عرضی اور قصیدہ
کے ساتھ واجد علی شاہ کے حضور میں تشریف لائے۔ اور اپنے کمال سخن اور قادر الکلامی کا ثبوت
پہونچایا۔ زبان اردو تو خاص آپ کی زبان ہی ہے فارسی نظم کی پرزور مضامین بھی لائق ملاحظہ ہیں

عرضداشت بحضرت ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ قیصر زماں محمد واجد علی شاہ خلد اللہ ملکہ

بعرض شہنشاہ عالی مکان ۔ فلک آستان و ملک پاسبان
ہنر مند و ہم قدر دان ہنر ۔ چو خاقان و قیصر بہ گیتی سمر
جگر خستہ تسلیم شعور بدہ سر ۔ ز دل میکشد نالہ از غم اثر
بالطف و کرم ساعتی ہوشدار ۔ بافسانۂ من دمی گوشدار
کہ از دست گردوں بجاں آمدم ۔ ز بیچارگی در فغاں آمدم
چہ گویم چہ از بخت بر دل گذشت ۔ کہ آسمان نقش ہم مشکل گذشت
بعہدے کہ دولت رہین تو بود ۔ جہاں زیر نقش نگین تو بود
ملک خطبہ ات را بصد عز و شان ۔ ہمی خواند بر منبر آسمان
بہمراہ مہدی علیخان قبول ۔ مرا بود اعزاز خدمت حصول
ہم از خوشنویسی ہم از شاعری ۔ بودی داشتم حجت چاکری
نفس مشتمل نکہت بادہ مے ۔ ز مشق تو نیے خندہ چو گل بلب مے
حیاتم بعیش و طرب مے گذشت ۔ بآرام دل روز و شب میگذشت
کہ ناگاہ این چرخ نامہرباں ۔ دگرگونہ شد در سپہر آسماں
حسد برد بر عیش و آرام من ۔ فلک ریخت در بادہ جام من
بقصد او طمع کرد بر ملک و مال ۔ قضا و قدر لکھنو در زوال
نہ آں بادہ ماند و نہ آں جام ماند ۔ مگر شکوۂ بخت ناکام ماند
چہ ارباب جوہر چہ ارباب جاہ ۔ بیکبار گشتند جملہ تباہ
بسے جا وہ بیجای غربت شدند ۔ بسے زاویہ گیر تربت شدند
من از تیرہ بختی چو دود فغاں ۔ نہ در خاک رفتم نہ بر آسماں
چو نقش قدم خاک بر سر مدام ۔ ز بیچارگی میکنم صبح و شام
فلاکت ابابی ضعف تا بشتاب توان ۔ ہنوز است با من استقامت جان
کنون سرمہ آں جفا میرود ۔ کہ از یاد بر نقش پا میرود
بسے کردم اندیشۂ جان خویش ۔ کزیں شہر بیرون کشم رخت خویش
بدرگاہ آں شاہ گردوں وقار ۔ کشم انتقام از غم روزگار
بجا آلم شادمانی کنم ۔ بہ پیرانہ سر نوجوانی کنم
بیالم چو غنچہ بخود از نشاط ۔ بافسردگی کم کنم ارتباط
نویسم قصیدہ بعہد عز و جاہ ۔ بخوانم حضور شہ جم کلاہ
بہ نسرین دہم گر شتاب سنبل دہم ۔ بگوش گل آواز بلبل دہم
ولیکن چہ سازم کہ بیچارگی ۔ رسیدست اکنوں بہ ایں پایگی
در اشک ہم شکل گوہر نماند ۔ بزردی رخ و حضور زر نماند

ہمین است بس از عیان نہان	کہ دارم دعا گوی در زبان	بود پایہ کار تا در سفر	بود نقطہ تا بحر مرکز مقصد
عدو بہ تو باد و انگہ وش دام	مصیبا تو هادی و یار ایام کام	تو از سر کار عالی جناب	جگر خستہ تسلیم خدا جراب

قصیدہ

کسطرح نہ دل تڑپے رگِ جاں کے برابر — ہر دم ہے وہ خنجرِ بُرّاں کے برابر

ناکامی قسمت سے ہی مجھکو سرِ گردوں — ہر روز ہے تیرہ شبِ ہجراں کے برابر

تدبیر سحر شام کو ہوتی ہے دگرگوں — کیا کیا ہیں کرم گردشِ دوراں کے برابر

نادم میری تدبیر ہے تقدیر سے ایسی — جسطرح پشیماں ہو پشیماں کے برابر

روتا ہوں قسمت کو کہ رہتا ہے ہمیشہ — گرداب ہم گریہ گریباں کے برابر

آرام میسر نہیں دم بھر تہِ گردوں — چکر ہے مجھے گردشِ دوراں کے برابر

اللہ رے سرگشتہ نصیبی کہ شب و روز — برباد ہوں میں گردِ بیاباں کے برابر

کیا کیا نہیں خوں گشتہ تمنائیں جگر میں — سینہ ہے مرا گنجِ شہیداں کے برابر

آنسو بھی خفا ہیں جو خفا بخت ہے مجھسے — رک جاتے ہیں آکر سرِ مژگاں کے برابر

دشوار ہے جنبش صفتِ نقشِ کفِ پا — گھر ضعف سے ہے گوشۂ زنداں کے برابر

کچھ منہ کو چھپائے ہوئے جاتی ہے عدم کو — امید مری عمرِ گریزاں کے برابر

عالم پہ مرے داغ ہو گلزار میں جاکے — ٹھہروں جو کبھی میں گلِ خنداں کے برابر

ہر شاخ نصیبوں سے مرے تیر ہے مجھکو — ہر غنچۂ گل ہو مجھے پیکاں کے برابر

ہلتی نہیں دم بھر دلِ مایوس سے تیر — حسرت ہے مجھے داغِ عزیزاں کے برابر

وہ دوجگری سے نظر آتا ہے جہاں تار — ہے صبحِ وطن شامِ غریباں کے برابر

پروا نہیں سوزِ جگر کی نہ عدو کو — جلتا ہوں چراغِ شبِ ہجراں کے برابر

ناقدری دوراں سے نہیں بات کے قابل — ہر چند کہ ہوں ناظمِ شعر اونکے برابر

لیکن مجھے با ایں ہمہ ہر دم ہے تسکیں — ہر مشکل دشوار ہے آساں کے برابر

کہتا ہوں کوئی نظم نہیں حامی ہے اگر — جم مرتبہ شوکت میں سلیماں کے برابر

واجد علی آفاق میں کامل صفتِ ماہ — بےمثل جہاں مہرِ درخشاں کے برابر

تا حشر عدو سے مجھے رہے بیزار
دارا کو نہ سمجھوں کبھی دربان کے برابر

قوت وہ عاجز ہوا گر اوسکی حمایت
روباہ بھی ہو شیر نیستاں کے برابر

دانش میں فراست میں فلاطون کو ٹھہرا
دونوں ہیں یہاں طفل دبستاں کے برابر

کسطرح بیاں ہو کف ہمت کا فسانہ
عالم میں گہر ریز ہے نیساں کے برابر

افلاس کا لیتا نہیں دنیا میں کوئی نام
مفلس ہے غنی قیصر و خاقاں کے برابر

احسان و کرم میں کرم و فیض سے اوسکے
ہر مور کو دعویٰ ہے سلیماں کے برابر

حال غربا پہ یہ ترحم ہے کہ جیسے
بیکس پہ ہو کوئی رحمت یزداں کے برابر

دل شاد رعایا ہے یہاں تک کہ شب و روز
رہتی ہیں دعائیں لب خنداں کے برابر

کیا خوف سیاست ہے کہ بجلی بھی تڑپکر
چمکی نہ کبھی خرمن دہقاں کے برابر

عالم میں بہادر کبھی ایسا نہیں آیا
دیکھے ہیں ورق دفتر دوراں کے برابر

قوت میں شجاعت میں فن حیدری میں
رستم سے فزوں سام و نریماں کے برابر

پہنچے صف اعدا میں جو ہنگام وغا تیغ
دریا ہو رواں خون کا طوفاں کے برابر

حاسد کو اگر چاہے گرفتار جراحت
تن پر سر مو ہو سر پیکاں کے برابر

کیا رتبہ و شوکت ہے کہ باایں ہمہ عظمت
فغفور نہ بیٹھے کبھی درباں کے برابر

کیا خاک لکھوں قصر معلےٰ کی میں تعریف
رفعت میں ہر اک ذرہ ہے کیواں کے برابر

جبریل ازل سے جو اوڑیں روز ابد تک
پہونچے نہ کبھی قبہ ایواں کے برابر

ہر نقش بہ رنگ گل تر تازہ و رنگیں ہے
ہر صحن مکاں گلشن رضواں کے برابر

کیونکر نہ مجھے فخر ہو تقدیر پہ اپنی
ثابت ہے کہ میں آج ہوں حساں کے برابر

گر وہ تجھے نشتر و زول جان و جگر سے
وقعات شہ قبلہ و ایماں کے برابر

میرا ہی وہ رتبہ ہے کہ پڑھتا ہوں قصیدہ
سلطان اولی الامر جہانباں کے برابر

کیا حسن خداداد ہے دیکھے جو عجب سے
کلمہ پڑھے ہر گبر مسلماں کے برابر

جب دیکھئے پیشانی و رخسار ہیں روشن
ذرات مہ و مہر درخشاں کے برابر

انسان و پری کیوں نکریں حلقہ بگوشی
فرمان ہے توقیع سلیماں کے برابر

خطبہ میں پڑھا جائے اگر نام نہ اوسکا
اسلام کبھی ہو کیش شیشانکی برابر

تسلیم کہاں تک ہو تن مدح سرائی
مانا کہ رواں طبع ہے عمانکی برابر

ہنگام دعا ہاتھ سے دینا نہیں اچھا
کہہ جائے در حضرت یزدانکی برابر

جبتک مہ و خورشید الٰہی رہیں سیّا
ہے نقش قدم عالم امکاں کی برابر

جبتک جگر شمع فروزاں ہے الٰہی
داغ دل پروانۂ سوزاں کی برابر

احباب شہنشاہ کی خاطر ہو جہاں میں
ہر شام رخ صبح درخشاں کی برابر

حاسد کو دکھائے فلک دشمن آرام
ہر صبح سیہ شام غریباں کی برابر

دن بھر رہے پروانے کے مانند پریشاں
راتوں کو جلے شمع شبستاں کی برابر

شاہ جم مرتبہ نے جو خود ماہر فن اور قدردان اہل کمال تھا دست خاص سے عرضی پر فوراً یہہ حکم لکھا اور بہت کچھ قدردانی اور عزت افزائی کی۔

شنواے خوشنویس واے خوشگو ∴ ہر دو فن سے کنی و ہر دو نکو ∴
اسم تو مندرج بہ دفتر شد ∴ بست و دو روپیہ مقرر شد ∴

اوستاد تسلیم کی خوش قسمتی سے عمر بھر میں اونکو یہی اک موقع ایسا ہاتھ آیا کہ بغیر خدمت تیس روپیہ ماہوار پاکر شرفیاب بارگاہ سلطانی رہے۔ کار متعلقہ کچھ نہ تھا یہانتک کہ برآمد تنخواہ کو بھی خزانہ تک جانا نہ پڑتا تھا آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کہ ملازم منشی خانہ شاہی تھے لیا کرتے تھے۔ مگر جب غدر کی ہیبتناک صورت خواب و خیال میں نظر آنے لگی تو مصلحتاً بادشاہ نے آپکو اپنے قدیم جگہ اوشداری پر پھر معمور کر دیا اور تا انتزاع سلطنت اسی ذریعہ سے آپ کو وہی تیس جو نوشتۂ روز ازل تھا ملتے رہے آخر رفتہ رفتہ غدر کا اثر بڑھتا گیا اور آپ نے بھی گردش تقدیر کے خوف سے یہہ سوچ لیا کہ

گر یہی گردش رہی اے تسلیم اپنے پانونکو ∴ اور ہیں دو چار دن ہم میہمان لکھنؤ

وہ ہرا بھرا باغ جہاں گل سبزۂ بیگانہ تک نہ تھا نذر خزاں ہو کر آج اپنے سر پر گولوں کیطرح خاک اوڑا رہا ہے۔ وہ عشرت سرائے سلطانی کی اونچی دیواریں عالم تحیر میں خاموش کھڑی

ہیں جس زمین پر فاقم و سنجاب کے فرش تھے وہ اب بجز بستر خاک کچھ نہیں رکھتی۔ نہ کہیں جھاڑ ہیں نہ فانوس البتہ شکستہ حال سینہ چاک چھتوں کے شگاف سے ماہتاب کی شعاعوں کا نور چھن چھن کر آرہا ہے جسپر شمع کی جھلملانے والی لو کا دھوکا ہوتا ہے۔ بیگمات اور مخدرات عصمت سمات کی جلوہ گاہیں مکڑی کے جالوں اور ابابیلوں سے بھری پڑی ہیں۔ اہل کمال بھی سب قوت کے محتاج ہو کر جنت نظیر لکھنؤ کو ترک کرکے ادھر ادھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ نہ مجمع شعرا ہے نہ صحبت فضلا جس کشتی پر سارے منتخب روزگار سوار تھے شکستہ ہو کر دریا میں پڑی ہے اوسکا ناخدا آپ گرداب بلا میں پھنسا ہوا ہے یا یوں کہو کہ وہ دولہا جسکے دم سے یہہ ساری برات تھی۔ آج مسند زریں چھوڑ کر عروس گور کے پہلو میں خاموش دم بخود پڑا ہے اوسکو اپنی آپ خبر نہیں۔ نہ اس تاریکی میں کسی جھوٹے آنسو بہانے والی شمع تک کا سہارا ہے۔ معاذاللہ یہ تیرگی روز سیاہ اور پھر گور کی اندھیری رات۔ لیجیے غدر کے ہاتھوں لکھنؤ تباہ ہو گیا بادشاہ اودہ کو قید فرنگ حاصل ہوئی۔ ہر طرف سناٹا ہے اوستاد تسلیم کے متعلقین نے بھی فیض آباد کیطرف رخ کیا۔ اور یہ خود بہمراہی یعقوب خان صاحب رامپوری کمیدان حیدری پلٹن۔ تلاش معاش میں رامپور چلے آئے۔ (گو رامپور اسوقت وہ رامپور نہ تھا جو تھوڑے عرصہ کے بعد ہو گیا) صرف آپکے بڑے بھائی منشی عبد اللطیف صاحب لکھنؤ میں رہ گئے۔ اس عہد میں رامپور آپ کے لیئے ایک مقام غیر مانوس تہا۔ نہ کوئی قدر دان۔ نہ ہمدم۔ نہ ہمخیال۔ یہانتک کہ چندے فروختگی اثاثہ سے گذارا کیا اور خانہ خدا کو اپنا گھر جانا۔ کچھ دن بعد منشی نہال الدین کے یہاں تعلیم اطفال کے لئے صرف تین ۳ روپیہ ماہوار کے نوکر ہو گئے۔ دس گیارہ مہینے تک یوں بسر ہوئی ہے ع۔ اے کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے آخر اک روز شدائد تکلیف اور اخراجات سے تنگ آکر مطابق طریقہ شعرائے سلف چند شعر بطور قصیدہ لکھکر نواب کلب علی خاں بہادر کے حضور میں آئے یہ اوس زمانہ میں ولی عہد ریاست تھے۔ غرض یہہ ذریعہ آمد و رفت کا سرکار رامپور میں ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد اون کی صحبت پیدا ہوئی زندہ دلوں کے بھی جان میں جان آئی۔ شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا۔ مشاعرے ہونے لگے۔ اور یہہ شغل آپ کے بھی غم غلط کرنے کا ذریعہ ہو گیا یہانتک کہ اسی وجہ سے

صاحبزادہ بخشن خاں صاحب بہادر کے یہاں قیام کو جگہ مل گئی۔ زمانہ قیام مسجد کی
بولتی ہوئی تصویر کیا اچھی کھینچی ہے - ملاحظہ ہو - تسلیم

شکر ہی کیا خوب کٹتے ہیں میرے لیل و نہار ⁂ رنج و راحت دونوں ہیں اس شہر میں مجھکو حصول
دن کو بے آتش ہی مطبخ سوکھے ٹکڑے رات کو ⁂ گاہ مہمان خدا ہوں گاہ مہمان رسول

رامپور کے اسی سفر اول کے موقع پر آپ اپنے ہموطن فدا حسین کے اصرار سے اوس مشاعرہ میں شریک ہوئے جس کے صدر مقام پر شہزادہ مرزا رحیم الدین صاحب حیا دہلوی کہ نواب یوسف علیخاں بہادر مغفور کے ہمنشیں تھے نظر آئے آپ کو اس موقع پر فدا حسین صاحب نے شعراء سے ملایا اور ظاہر کیا کہ یہہ شاگرد نسیم ہیں - غم رکھتے ہیں کم کرتے نہیں طرح بھی آپ نے جوں ہی یہہ مطلع پڑھا سنایا وہ گاہ ہستی موہوم ہم رکھتے نہیں ⁂ صورت عمر رواں نقش قدم رکھتے نہیں - شہزادہ صاحب نے بے اختیار داد سخن دیکر یہہ پوچھا کہ حضرت آپ کس کے شاگرد ہیں جب یہہ علم ہوا کہ نسیم شاگرد مومن کے تو صاف کہدیا کہ جبھی تو میں حیران تھا کہ لکھنؤ والے اس رنگ کو کیا جانیں وہاں تو انگیا کرتی کا مضمون خوب کہتے ہیں - ایک شعر آپ کا اسی زمین میں اور ہے - شعر

ایک صورت پر بسر کرتے ہیں زیر آسماں ⁂ صورت ماہ دو ہفتہ بیش و کم رکھتے نہیں

شہزادہ صاحب اور بھی آپ کے کلام پر شیفتہ اور فریفتہ ہوئے اور پہچان تک چھوڑ دیا صادق صاحب دہلوی بھی کہ شہزادہ صاحب کی یادگار ہیں اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں - شہزادہ حیا غالباً غالب مرحوم کے عہد کے شعراء میں تھے کیونکہ نواب یوسف علیخاں صاحب کی حیات تک غالب مرحوم بھی برابر رامپور میں تشریف لاتے رہے اور بوجہ اصلاح نواب صاحب مذکور الصدر کے بہت ممتاز تھے اور بوجہ شہزادگی یوں بھی بہت صاحب توقیر تھے استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ یہہ زمانہ ہمنے نہیں دیکھا نہ میرے وقت میں غالب رامپور آئے -

بعد چندے جب رستہ صاف ہو گیا تو آپ ولی عہد بہادر سے ملے اور کہا کہ سرکار انگریزی نے بخوبی انتظام کر لیا - کوئی خطرہ راہ نہیں رہا - اہل و عیال کی خبر نہیں کیا

ہوئے کر ہر گئے آنکھیں دیکھنے کو ترستی ہیں اور عزم وطن رکھتا ہوں کاہش جھنپوری

قفس میں جیتے جی پایا چمن یاد آیا ؎ مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا

غرض ولی عہد نے اس صدمہ بے وطنی کو سنکر بطور رخصتانہ سو روپیہ زاد راہ دیکر رخصت کیا اسی عرصہ میں آپ کے والد کے شاگرد بخشی لوچن لعل صاحب لکھنوی نے بطور ہنڈوی عمدہ روپیہ بھیجے آپ فرخ آباد کانپور ہوتے ہوئے اپنے بڑے بھائی منشی عبد اللطیف کے پاس لکھنؤ پہونچے۔ چند دن وہاں قیام رہا بھائی نے از رہ الطاف و محبت کے جوڑے کپڑے بنوا دیئے اور پچاس روپیہ زاد راہ دیکر فیض آباد وطن نوجوان والدہ تھیں بھیج دیا۔ فرماتے ہیں کہ جب والدہ کے پاس پہونچا بہت خوش ہوئیں اور یہہ جانا کہ مردہ قبر سے اٹھ کر آیا ہے چنانچہ مطابق رسومات ہند و شفقت مادری یہہ سارا روپیہ چند ہی روز میں بزرگوں کی نیاز۔ صدقہ۔ رتجگا شہیدوں کے مزار پر چادر وغیرہ چڑہانے میں صرف کر ڈالا گیا۔

نوٹ۔ خدا مغفرت کرے اس مطلع نے مجھے مولوی اولاد علی مرحوم کاہش جھنپوری شاگرد مصحفی کو یاد دلوا دیا جو عرصہ ہوا انتقال کر گئے ملک الشعراء رہ چکے ہیں۔ یہ بڑے قادر الکلام اور ماہر فن تھے مصحفی نے بھی اپنے زمرہ تلامذہ میں انکا ذکر کیا ہے اب انکی ایک آخری یادگار حافظ ارادۃ الحق صفا گیاوی ہیں۔ پہلے مطلع سلام ہے جو کچھ شعر ہی کہتے تھے انکے مادہ میں کچھ مشکوک مسودہ کاہش مرحوم کا میرے پاس بغرض درستی لائے تھے جسمیں یہ مطلع بہت خوب نظر آیا۔ شیشہ کی طرح یار کا ایسا ہے بدن صاف ؎ سینے میں نظر آتی ہے چوٹی کی شکن صاف افسوس کہ انکا کلام صحیح طور پر کہیں کچھ باقی نہیں ہے مرثیہ و سلام میں بھی انیس و دبیر کے ہمعصر تھے۔ غزل میں آتش کے ہم پایہ رہتے۔ صرف پورب کی سکونت مانع مقبولیت ہوئی۔ سہ رہ کے پورب میں نہونگے مستند۔ غرض ایسی شاعری بیکار ہو گیا ہیں کوئی صاحب فن انکا دیکھنے والا باقی نہیں انکے شاگرد کیفی کے ایک شاگرد منشی درگا پرشاد ستم رہ گئے تھے دو تین برس ہوئے وہ بھی چل بسے کلام غیر مطبوعہ رہ گیا۔ میرے بڑے عنایت فرما تھے۔ کاہش مرحوم کا ایک نوحہ مقبول و مشہور و یادگار مصارع ہے مع۔ لالہ سان سب خون میں ڈوبے گلزار فاطمہ۔ ایک شعر کچھہ عجب عالم رکھتا ہے۔

کس مصیبت میں تھی اولاد مومنو نانی کی ؎ شمر تو سینہ پہ تھا اور انتظار فاطمہ

غریب و قریب اطراف سے دیکھنے کو آنے لگے۔ غرض تقریباً دو مہینہ تک اسی
طرح بسر ہوئی پھر فکرِ معیشت لکھنؤ لائی یہہ وہ زمانہ ہے کہ منشی نولکشور نے نیا نیا
چھاپا خانہ قایم کیا تھا اور مضافات لکھنؤ کے سارے خوشنویس اور لایق فایق
لوگوں کی پکار ہو رہی تھی آپ بھی یہاں اپنی خوشنویسی کی بدولت بیس روپیہ
ماہوار کے منشی مقرر ہو گئے۔ اور محلہ محمود نگر کو مستقل قیام سے اپنے شرف بخشا
یہی وہ محلہ ہے جہاں آتش مرحوم رہتے تھے۔ لکھنو والوں میں دردانگیزی کے
لحاظ سے جناب تسلیم کا کلام آتش سے کسی قدر ملتا جلتا ہوا ہے نسیم مرحوم نے بھی
دردانگیزی میں لکھنو کے اساتذہ میں آتش ہی کو منتخب فرمایا تھا کہتے ہیں کہ ؎

کلامِ آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے ؛ نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی درد آشنائی کا

اسی زمانہ میں نواب اصغر علیخاں نسیم دہلوی نے کچھ عرصہ تک ملازم مطبع نولکشور بھی
تھے رحلت کی بعد مرگ ناسخ و آتش انہیں کے دم قدم سے زبان اردو کی ترقی
لکھنؤ میں باقی تھی انکی موت نے اوس عہد کے بچے بچائے صاحبانِ فن کو بڑا صدمہ
پہونچایا۔ یہی وہ نسیم ہیں جنکا یہہ دعوے مشہور ہے۔ ؎

نسیم دہلوی ہم موجدِ بابِ فصاحت ہیں ؛ کوئی اردو کو کیا سمجھیگا جیسا ہم سمجھتے ہیں

مرحوم نے متعدد لایق و فایق تلامذہ چھوڑے جنمیں سعید احمد خاں مضطر۔ منشی اشرف علی
اشرف۔ شیخ امیر اللہ تسلیم۔ مرزا مچھو بیگ عاشق عرف ستم ظریف نامہ نگار اودھ پنچ
وغیرہ منتخبِ روزگار لوگ تھے۔ استاد تسلیم نے مرگ نسیم کا غم اس قطعہ میں ظاہر فرمایا

کیا کہوں سوختہ جانی تسلیم ؛ داغ ہے سوزِ نہانی ہے ہے
چل بسے گلشنِ فانی سے نسیم ؛ رشکِ قدسی و فغانی ہے ہے
ہر طرف سے یہی آتی ہے صدا ؛ موجدِ شعلہ بیانی ہے ہے
منہ سے نکلی دمِ شیون تاریخ ؛ ناظمِ ملکِ معانی ہے ہے

سنہ غدر دہلی کے موقع پر میں نے خاندانِ مومن و تسلیم کے رشتے سے ہی لوگوں کی بہت
تفتیش کی مگر کہیں کچھ پتہ نہ ملا تنگ و ناچار سر پیٹ کر رہ گیا۔ حضرت تسلیم فرماتے

کہ مومن و نسیم دونوں کے لڑکے تھے معلوم نہیں کہاں ہیں کیا ہوئے - نسیم مرحوم کا ایک لڑکا محمد اسمٰعیل بیگ عرف بڑے مرزا منکوحہ بی بی سے تھا اپنی دُلہن کو لیکر حج کے لئے گیا پھر واپس نہیں آیا- ایک دوسری عورت مسماۃ تبولن کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی یہہ لڑکا ابتدا ہی سے مجنوں اور دیوانہ تھا- ابتک لکھنؤ میں ہے- کیا کہوں کہ اس سو برس میں کس کس طرح زمانہ کا ورق اُلٹا اور کیا کیا ہوا- اب بوجہ کبر سن و ضعفِ دماغ کچھہ یاد بھی نہیں رہا- نسیم کی موت نے استاد تسلیم کو اسقدر افسردہ کیا کہ عرصہ تک شعر و شاعری کو ترک کر دیا لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں شریک ہوکر یوں افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ ؎

مرگِ استاد سے تسلیم ہوں زندہ درگور ؎ شعر کہتا بھی تو میں خستہ جگر کیا کہتا

جناب تسلیم کا بیان ہے کہ بعد مرگ آتش صرف نواب محمد تقی خانصاحب سالار جنگی لکھنوی کا مشاعرہ باقی رہ گیا تھا یہہ سات سو ستاون روپیہ کے وثیقہ دار اور ماہر فن رئیس تھے اکثر اہل کمال اور شعرا کے ساتھہ بعد اختتام مشاعرہ کچھہ نقد و جنس سے سلوک بھی کیا کرتے تھے- انمیں میر کلو عرش بھی تھے- یہ ہمیشہ نوابصاحب کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے مگر کبھی طرح کی غزل بجز غیر طرح نہیں پڑھی اپنے کو میر تقی میر کا بیٹا کہتے تھے افیون چڑ گئی تھی- افلاس کا طرہ تھا- بالکل گدڑ بنے تھے- اِنکے ساتھہ بھی ہمیشہ کم و بیش سلوک کیا جاتا تھا- اور خالی ہاتھہ کبھی رخصت نہیں کئے گئے یہ وہی میر کلو عرش ہیں جنکی شاگردی پر لکھنؤ کے مشہور شاعر محمد جان شاد مرحوم کو فخر تھا انکا یہہ شعر بہت مشہور ہے ؎ میر کلو عرش

آسیا کہتی ہے ہر صبح بآواز بلند ؎ رزق سے بھرتا ہے رزاق مرا پیٹ سدا

مصنف آبحیات نے بھی میر کلو عرش کی زندگانی کی تصویر کھینچی ہے جو استاد تسلیم کے اس بیان سے مشابہ ہے-

نواب صاحب ابتدا سے نسیم کے شاگرد تھے بعد انتقال اون کے اپنا
کلام اوستاد تسلیم کو دکھلانے لگے۔ یہ ایک بڑا ذریعہ اوستاد تسلیم کی فارغ البالی
کا ہوگیا بظاہر گو دس[۱۰] ہی روپیہ ماہوار دیتے تھے مگر صدہا نوازشیں تھیں
کیونکہ بلحاظ تلمذ نسیم مرحوم نیز اوستاد ہونے کی حیثیت سے جناب تسلیم کا پایہ
سب سے زیادہ بلند تھا یہی وہ نواب سعادت نشان ہیں جنکے حکم سے
مرحوم نسیم کا دیوان جناب تسلیم نے ۱۲۸۵ھ میں مرتب فرما کر چھپوایا۔
افسوس کہ اس واقعہ کے سات ہی سال بعد نواب نے انتقال کیا
اور باد مخالف نے اوستاد تسلیم کی فارغ البالی کے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔
اوستاد نے مرگ نواب کی تاریخیں کہیں جنمیں ایک یہ بھی ہے۔

قطعہ

ترک ہستی گفت ہرگہ این بینا مدآ ∴ از زمین تا چرخ شور شیون و ماتم رفت
از پئے تاریخ تسلیم حزیں چوں فکر کرد ∴ گفت دل نواب لاقدر ازیں عالم رفت

مرحوم نسیم کی جانشینی کا شرف چونکہ اوستاد تسلیم کو حاصل ہوتا تھا[۱۲۹۲] اس لیے
ابتدا ہی سے مکینے نسیم آپ کی طبیعت پر دل دادہ تھے۔ مثنوی نالہ تسلیم کی
ترتیب کے وقت یہ تاریخ فرمائی تھی۔

چوں نظم نمود این فسانہ ∴ تازہ گل من زباغ تعلیم
گفتم نسیم سال تصنیف ∴ تم بال بحال فکر تسلیم

نواب صاحب نے بھی جو باوجود تلمذ نسیم آپ کو غزلیں دکھلائیں اوس کا
سبب یہی تھا کہ اوسی عہد میں آپ نسیم کے قائم مقام تسلیم کر لیے گئے تھے
جناب تسلیم کو نواب کے انتقال کا ایسا سخت صدمہ ہے فرماتے تھے کہ ایک
روز مرحوم [illegible] میں [illegible] دیکھنے کو گیا تو فرمانے لگے چلیے پاس بیٹھیے [illegible]
[illegible] آپ کو [illegible] دل میرے ورثا میرے بعد آپ کو [illegible]
[illegible] میں ڈوبا ہوا تھا کہ لیے [illegible] میری آنکھ

سے آنسو نکل پڑے اور میں نے کہا میری ہمت گوارا نہیں کرتی کہ حضور نہ ہوں اور میں آپکے وثیقہ کی تنخواہ کھاؤں اس سے آپکی سچی قناعت کا ثبوت مل سکتا ہے۔

ابھی چند سال ہوئے لکھنؤ میں نواب صاحب مرحوم کی صاحبزادی اپنی سسرال سے آئی ہوئی تھیں جناب تسلیم یہ سمجھکر کہ اب نواب کی یادگار یہی ایک باقی ہیں تشریف لے گئے تھے آپکا نام سنکر پردے کے قریب بلوایا اور پیرانہ سالی اور پریشانیوں پر بہت افسوس کرنے لگیں کچھ روپیہ اور کپڑے کے تھان کے ساتھ رخصت کیا مرحوم نواب کے داماد کی بابت جناب تسلیم نے لکھا تھا کہ اون کو شعر و شاعری سے تعلق نہیں وہ ایک اور ہی خیال کے آدمی ہیں نہ اونکو میری خبر نہ مجھے اونکی۔

بعد انتقال تسنیم و مرگ نواب آپکی طبیعت بہت افسردہ ہو گئی اور بطور یادگار طبع موزوں جو کلام غدر میں لٹ لٹا کر بچ گیا تھا بصورت کلیات جمع کرکے منشی نولکشور صاحب قدردان اہل کمال کے حوالہ کیا اور اونکے حکم سے وہ چھپکر مشہور دیار و امصار ہوا - اس میں افکار اول کا حصہ گویا تھوڑا ہے جو کچھ سنہ ہجری کے غدر کے بعد موزوں فرمایا تھا مرتب کیا ہے - اوس پر بھی فرط عجز سے کہتے ہیں کہ ندامت ہے صدہا باتیں رہ گئیں

جب لکھنؤ قدردان رئیسوں سے خالی ہو گیا تو خداوند عالم نے نواب کلب علیخاں بہادر فرمانروائے رامپور کو مسند نشین ریاست کر دیا - سارے ذی علم ٹوٹ پڑے - اوسوقت اون کے مستقل درباری شعرا میں بحر فخر التلامذہ ناسخ - صبا - اسیر - امیر - منیر - داغ جلال - سحر - عروج - حیا - تجلی - فائق - رسا - منصور وغیرہ موجود تھے ایک روز نواب صاحب نے کہ ویرتیہ تخواہ تسلیم تھے دربار میں پوچھا کہ تسلیم کہاں ہیں چنانچہ کسی نے کہا کہ مطبع نولکشور میں - آپ نے فرمایا کہ بلوا لیجیے - یہانتک

کہ حضرت امیر مینائی نے آپکو طلب کرلیا اور آپ اول اول بزمرۂ شعرا
تیس روپیہ ماہوار کے نوکر ہوئے دو سو روپیہ عید کے موقع پر ملا کرتے
تھے۔ علاوہ اس کے اوسوقت دربار ہی کچھ اور تھا۔ صدہا عنایتیں
تھیں۔ میرے خیال میں اوسوقت کا رامپور صرف دارالسرور ہی نہ تھا
بلکہ دریائے کرم ہی کا جواب تھا۔ ہر فن کے اہل کمال جمع تھے بالخصوص شعر
کو بڑا فروغ تھا اس جلسہ میں جہاں چار طرف لکھنؤ والے اور زیادہ تر
ناسخ و آتش کے نام لیوا گلگونہ بھرے پڑے تھے دلی والوں میں داغ کا
بھی اپنا رنگ جما ڈالا تھا ایک قدیم دلی کے مٹے مٹائے رنگ کا پیرو
اپنی طولانی عمر کے لحاظ سے بھی سب میں ضعیف الدماغ ہوگا کسطرح ممتاز
ہوا عجب ہے بجز اسکے کہ مومن کا روحانی فیض یا اتصال ایزدی اور
کہا جاسکتا ہے۔ ان سارے اساتذہ کی زبان پر آپکا نام جب آیا الفاظ
کے ساتھ آیا جسنے کہا تسلیم نہیں کہا بلکہ اوستاد تسلیم ہی کہا۔ رفتہ رفتہ آپکے
یہ سارے ہمعصر بالکل اٹھ گئے۔ اور صرف امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ رہ گئے
اسی زمانہ کے لوگوں نے ان چاروں کو زبان اردو کا اربع عناصر کہا ہے
جنمیں تین چل بسے آپ ایک رکن آخر باقی ہیں۔

بعوض نواب کلب علی خاں بہادر نے بعد چندے آپکی قابلیت کا لحاظ
فرما کر ناظر عدالت۔ پیشکار۔ مدرس۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس وغیرہ کے مختلف
عہدوں پر معمور فرمایا تنخواہ میں ترقی بھی تیس ۳۰ سے پچاس تک ہوئی۔ یہ عہد
آپ کے لئے نہایت ہی مبارک تھا۔ اور اچھی طرح بسر ہوئی جسکو اپنے آخر زمانہ
بحسرت کی نظر سے یوں روتے رہے۔ ہائے

تسلیم عہد کلب علیخاں گذر گیا ⁂ جھوٹوں بھی اب تو کوئی نہیں پوچھتا مجھے
کبھی موقوف ہیں تسلیم یا سے ہیں بجی مقرر ⁂ بس کلب علیخاں خلد میں داخل ہیں ہمیں

گرامی نامہ تسلیم۔ مشفقی محبی منشی ضمیر الدین احمد صاحب زاد عنایتکم۔ بعد سلام مسنون

سے کے مظہر مدعا ہوں سب طرح خیریت ہے صحت و عافیت آپکی ایزد تعالےٰ
سے چاہتا ہوں - میرا حال ابتک بدستور ہے تخفیف کی فہرست میں نام
لکھہ گیا ہے مدار المہام صاحب نے منظور فرمالیا ہے نواب صاحب بہادر
کی منظوری باقی ہے سنا جاتا ہے کہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ کو احکام جاری ہونگے
جسکا آب و دانہ ہوگا رہیگا باقی موقوف ہوجاینگے - میں بھی حکم کا منتظر
ہوں منشی امیر احمد صاحب یہاں سے بھوپال گئے وہاں کچھہ دن ٹھہر کر حیدر آباد
دکن تشریف لے گئے دیکھیے آتے ہیں یا وہیں قیام کرتے ہیں - شبیر احمد میرا
شاگرد ہے وفا تخلص ہے ایک معمولی آدمی ہے دو چار دیہات سرکاری
اوسکے پاس بطور مستاجری کے ہیں اور کھنڈسار جسمیں شکر بنتی ہے بہی ہے
دس پانچ آدمی نوکر ہیں اوسی کے ایک مکان میں قیام میرا کلی ہے - ہرچند
اوسنے بمقتضاء ہمت خورد و نوش وغیرہ کی نسبت بہت کچھہ کہا مگر میری غیرت
نے نہ چاہا کہ باوجود قدرت کسی کی روٹی پر پڑوں - کچھہ قرار پاگیا ہے وہ
نقد دیدیتا ہوں کھانا کہا لیتا ہوں - یہہ اوسکے خلاف مزاج ہے مگر بمجبوری
لیتا ہے - اگر کچھہ دن اور یہیں نوکر رہ گیا تو مکان علیحدہ لیکر رہونگا - اور بسر اوقات
کے لیئے کوئی آدمی یا ماما نوکر رکہونگا - ورنہ جہاں آب و دانہ لے جائیگا چلا
جاؤنگا - اور بدقسمتی کہ پندرہ روپیہ ماہوار ریاست منگرول سے مقرر تھے وہ بھی
موقوف ہوگئے - اور تنخواہ برطرفی بھی نہیں ملی - کیونکہ ریاست میں روپیہ نہیں
اور تیس لاکھہ روپیہ قرضدار ہے - سولہ مہینہ کی تنخواہ چاہیئے مگر امید ملنے کی نہیں
یہاں کے میر منشی کا نام محمد اصغر علی خاں ہے بیرونجات کے خطوط انہیں
کے پاس جاتے ہیں رامپور کے رہنے والے ہیں ابھی آئے تھے مجھہ سے
ملے بھی تھے میں نے اون سے کبھی اپنی تنخواہ کی نسبت کچھہ ذکر نہیں کیا نواب
منگرول نے پہلے بڑی اولوالعزمی کی جب ہندوستان کے صاحبان فن کا حملہ
ہوگیا تو کمی کرنے لگے غرض ایسی پریشانیوں میں ہوں کیا کیا لکھوں -

امیر اللہ از رامپور ۲ ستمبر ۱۹۰۰ء

اس تحریر کی تصدیق دیوان دوم استاد تسلیم کے صفحہ ۲۵۶ کی
عرضداشت سے بھی ہو سکتی ہے - یہ اس زمانہ کی حالت ہے جب
نواب کلب علیخاں صاحب چل بسے اور نواب حامد علی خاں فرمانروائے
حال مسند نشین ریاست ہوئے - اسی زمانہ کی بابت حیات تسلیم مطبوعہ
لاہور میں یہ عبارت لکھی گئی تھی (بات یہ ہے کہ نواب حامد علیخاں بہادر
خلد اللہ ملکہٗ والی رامپور کو وہ شوق نہیں) اس جملہ کی تردید ہمارے مشفق
حال شہزادہ صادق صاحب دیباچہ دیوان سوم حضرت تسلیم میں یوں
کرتے ہیں (ممکن ہے جس وقت حیات تسلیم کو عرش صاحب نے تالیف
کیا ہے اوس وقت تک حضور پرنور دام اقبالہم کو توجہ نہ ہو مگر اب تو جو قدر دانی
شعرا کی اس دربار میں ہے آج ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتی
یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے منتخب شوخ طبع شاعر آج رامپور میں
موجود ہیں - اور بارہا جو توقیر سر مشاعرہ استاد تسلیم کی اعلیحضرت نے فرمائی
ہے وہ احاطۂ بیان سے باہر ہے) بلاشبہ یہ امر مان لینے کے قابل ہے
نواب صاحب بہادر نے جناب تسلیم کی غمخواری قدیم کا صلہ مناسب عطا
فرمایا - مگر قدردانی شعرا سے میرے خیال میں اوس زمانے کے اعتبار
سے رامپور آج بھی خالی ہے - سوائے کمال صاحبزادہ جلال مرحوم
حیات بخش صاحب رسا کے معقول تنخواہ کسی کی ہے - وہ بھی سنا جاتا
کہ کمال نے قبل از وقت عین جوانی میں انتقال کیا اور باپ کا نام روشن
کر کے چلے گئے - اب دیکھیں مرحوم جلال کا جانشین کون پیدا ہوتا ہے
خدا وہ دن کرے کہ نواب صاحب بہادر واقعی قدر دان اہل کمال
ہو جائیں اور کم سے کم علامہ حضرت تمنا و مرزا اوج خلف دبیر فصیح
لکھنوی وغیرہ کو معقول قدردانی کے ساتھ دربار میں طلب کرائیں کہ یہ ا

وہ یہ یادگار باقی ہیں جس زمانہ کی ناقدر دانیوں پر میں معترض تھا اوسکے متعلق ایک مقطع مناسب حال اوستاد تسلیم کا یاد آگیا ؎

تسلیم عہد کلب علیخاں گذر گیا ؛ کم بھی سکھے ورنہ اہل سخن کی شمار پر

ظاہر ہوا کہ آج وہ کسی شمار میں نہیں ہیں۔ صادق صاحب کے ملاحظہ کو جناب تسلیم کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں۔

(از گرامی نامہ تسلیم) مجبی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں۔ میں ٹونک گیا تھا وہاں میرا اک دوست ڈاکٹر نظر محمد خاں کا بیٹا مسمے وزیر محمد خاں تھا بہت سر برآوردہ اور میرا قدر دان تھا جب میں وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ اوسکا انتقال ہو گیا سخت مجبور ہوا ہر چند اور ذریعہ ڈھونڈا مگر دستیاب نہ ہوا۔ ناچار گیارھویں روز پھر رامپور واپس آیا

محمد امیر اللہ تسلیم ۲۲ راگست ۱۹۰۰ء

صادق صاحب کے اطمینان کے لیئے ایک اور سنیے (از گرامی نامہ تسلیم) مشفقی مجبی زاد عنایتکم۔ میرا مقدمہ ابھی تک بدستور ہے نواب صاحب بہادر کو اللہ تعالے نے فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے۔ اوسکا جشن اور خوشی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک مہینہ سے تعطیل ہے۔ کچہریاں بند ہیں کبھی کبھی بغرض کارہائے ضروری کھل جاتی ہیں۔ اسیوجہ سے وہ کاغذات پیش نہیں ہوئے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ منشی امیر احمد صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے وہاں علیل ہو کر راہی جنت ہوئے ایک ہفتہ ہوا تار آیا تھا۔ نواب صاحب حیدر آباد سے نوبت ملاقات نہیں آئی۔ افسوس بڑا کامل فن اوٹھ گیا نواب مرزا صاحب داغ بھی سخت علیل ہیں اونکے بھائی یہاں سے اونکی طلبی کا تار آیا تھا یقین ہے گئے ہوں۔ رقیمہ نیاز امیر اللہ تسلیم ۲۰ راکتوبر ۱۹۰۰ء

ایک تحریر اور تاکہ صادق صاحب کو مطلق میری تحریر پر شک نہ رہے۔

(از گرامی نامہ تسلیم) مجبی مشفقی زاد عنایتکم۔ بالفعل میرا تعلق اس ریاست سے

جاتا رہا سخت تردد ہے کہ اسوقت کہاں جاؤں - ارادہ ہے کہ منگرول
ملک کاٹھیاواڑ کو جاؤں یا بھوپال جاکر تلاش معاش کروں - تنخواہ بھی
ابھی نہیں ملی اوسیکا انتظار ہے اور کیا لکھوں - رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم ۲۰ جولائی
اب بھی اگر صادق صاحب میری صداقت تحریر پر ایمان نہ لائیں تو اور بات ہے۔
غرض نواب مرزا خانصاحب داغ - اور جناب امیر کے ترک رامپور کے
بعد آپ بھی آخر ناقدردانی کے ہاتھوں تنگ اور پریشان ہوکر تلاش
معاش میں منگرول آئے - یہاں باوجود مقروض ہونے کے نواب شیخ
حسین میاں صاحب سے پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر روکنا چاہا -
مگر رامپور کی ازلی قدردانی اور دیرینہ احباب کی محبت کب چھوڑتی تھی
غیر مانوس خلقت اور سمندر کے کنارے کی آب وہوا کی خرابی وغیرہ کا عذر
پیش کرکے پھر رامپور چلے آئے اور تھوڑے عرصہ تک نہایت درجہ پریشان
رہے جسکا کہنا تطویل لاطائل ہے - اب دریائے رحمت جوش میں آیا اور
اس لیے کسی میں غیب سے صورتیں پیدا ہوگئیں والی حال نے فرزند
ارجمند کی ولادت کی خوشی میں لوگوں کی بطرز فیاضی مدد کر دی - جب نواب صاحب
بہادر سفر انگلینڈ سے واپس ہوئے اوستاد تسلیم نے اپنا منظوم سفرنامہ سرکار
رامپور کہ پچیس ۲۵ ہزار پانسو اشعار کا دفتر تھا دربار کے موقع پر پیش کیا اور دم
آخر بھی دعاگوئی اور معجز بیانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا افسوس کہ قبل اسکے
کہ اسکا صلا ملے آپ کشش دربار سے تنگ آکر محروم واپس چلے آئے
وائے پیرانہ سالی - جب تلاش ہوئی نہ ملے اور جب دوبارہ حاضر ہوئے
تو حکم احکام جاری ہو چکے تھے کسی نے اس خزینۂ جواہر کو بھی اوڑا لیا
آخر عالیجناب صاحبزادہ مصطفے علیخاں صاحب بہادر پرائیویٹ سکرٹری
کے طفیل سے یہ کتاب مع درخواست پھر پیش ہوئی اور سرکار والاتبار نے
مقررہ تیس ۳۰ روپیہ پر دس ۱۰ روپیہ اضافہ فرماکر چالیس روپیہ ماہوار بطور

پنشن مقرر کر دیا - اور نواب عالی گہر نے پوچھا کہ تسلیم کیا چاہتے ہو اتنے بڑے با وقعت اور صاحب اختیار نواب کو آپ نے یہ جواب دیا کہ حضور ایک زر روزینہ تو میرا خزانہ ازلی سے مقرر ہی ہو چکا ہے میں اور کیا کہوں ہاں تسلی ہو گی اگر فیضِ گنج کے اداکاری کا سامان فرما دیا جاوے - اسکا جواب اس مدبر ملک کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ایسے تحیۃ القویٰ اور کبر سن عمدہ آدمی کو حج کے لیے بھیجنا گویا اپنے ہاتھ سے کھونا ہے چنانچہ ۱۹۰۷ء سے اسوقت تک آپکو بطور پنشن چالیس روپیہ ماہوار دلاتے ہیں اور حاضری دربار کی معاف ہے -

یہ جدید سفرنامہ لندن جو دوبارہ منظوم کیا گیا تیس ہزار شعروں کا مجموعہ ہے اسکے ساتھ ایک مجلد تاریخ کونسل اوف ریجنسی - اور ایک جلد ترمیم کردہ تاریخ بدیع بھی پیش کی گئی تھی - صادق صاحب نے اوستاد تسلیم کی توقیر کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اوسکی تصدیق اوستاد تسلیم نے تیسرے دیوان میں خود کی ہے ؎

تسلیم

وہ راحت پا رہی ہے حامد علیخاں کی تصدق میں ؛ عجب کیا خلد میں بھی یاد مجھکو رامپور آئے

ولہ

شکر ہے صدقہ میں نواب کے اب تک تسلیم ؛ عمر کی ہے بسر عزت و توقیر کے ساتھ

خدا وہ دن کرے کہ نواب حال کا ذوقِ سخن روز افزوں ترقی کرے اُنکے شعروں پر اوستاد تسلیم کی یہ رائے ہے ؎ از دیوان سوم حضرت تسلیم

اگر پوچھتا ہوں دم وجد دل سے ؛ یہ دیتا ہے مجھکو جواب اول اول
کہ نواب حامد علیخاں سے تسلیم ؛ کہی یہ غزل انتخاب اول اول

جناب تسلیم کی پنشن کے بعد ہی اونکا دل و دماغ ہوش و حواس سماعت و بصارت ایک ایک کرکے سب رخصت ہو گئے گویا امام الشعرا شاہ حاتم کی صحبت ہی درہم برہم ہو گئی - اگلے یادگار ان مومن و نسیم سب [illegible] میں چل بسے زمانہ موجودہ کے مذاق کی صورت سے اون کو یہ نفرت ہے کہ وہ [illegible]

سے منہ تک ڈہانک لیا - اوس شبستان سخن کی شمع سحری ایک ذات تسلیم رہ گئی جنکی نگاہ میں ہر وقت اجل پھرا کرتی ہے اگر کسی وقت ذوق ازلی اونکا مجبور بھی کر دیتا ہے تو کچھہ کہکر وہ یوں ٹال دیتے ہیں کہ ؎

کہیں تسلیم کیا ہم شعر اب تو وہ زمانہ ہے ؎ کہ صدہا بے پڑہے جاہل سخنور ہوتے جاتے ہیں

عمر شریف اور حواس

عہد ولی و حاتم سے اوس وقت تک اردو کے نامی اساتذہ میں جو عمر کہ آپ کو اللہ پاک نے عطا فرمائی میری یاد میں کسی اور کے حصہ میں شاید نہیں آئی اللہم زد فزد اس وقت کہ یہ کتاب زیر تالیف ہے تو آپ کی صحیح عمر ۱۰۳ برس کی ہے - مگر ہوش و حواس لازمی میں مطلق فرق نہیں البتہ بصارت و سماعت میں بہت بڑا فرق آگیا اور اسی سے لائق تحریر و تقریر نہیں رکہا آپ کا آخری گرامی نامہ جو چند راز سربستہ سے مملو ہے مجکو ۲۸ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ملا تھا اوسکا مضمون آخری یہ ہے -

از گرامی نامہ تسلیم - میرا ضعف بصارت اور ثقل سماعت حد سے بڑہ گیا دیوار بن گیا ہوں - یہ خط اٹکل سے لکھا گویا چند لکیریں کہینچدیں - کچھ نہیں پڑہا گیا کہ کہاں صحیح لکھا اور کہاں کون لفظ رہ گیا - امیر اللہ تسلیم

اس تحریر کے بعد کوئی تحریر دست خاص کی مجکو نہیں ملی ہر چند کوشش کی - مگر تعجب ہے کہ اس صد سالہ عمر میں آپ جو فرماتے ہیں یاد رکھتے ہیں جب کوئی دوست ملنے آتا ہے تو لکھوا دیتے ہیں - گرچہ معذوری اس مقطع سے ظاہر کہ ؎

سو برس کی عمر میں تسلیم کیسی شاعری ؎ اب دل کو نظم کی خواہش نہ انشا کی ہوس

بہر حال جو کچھہ لکھ لیتے ہیں اوس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسطرح اردو زبان کے شعرا میں عمر کا بڑا حصہ آپکو ملا - دل و دماغ بھی اللہ تعالے نے ویسا ہی عطا فرمایا - ورنہ یہ عمر وہ ہے کہ انسان اپنے سے کروٹ تک نہیں بدل سکتا -

اسس عمر طولانی کے بڑے حصہ کو آپ نے لکھنؤ اور رامپور میں گذارا اور بہر گرم و سرد زمانہ میں شاکر اور صابر رہے - بعد انتقال داغ و امیر احباب نے دکن سے آپ کو اکثر طلب کیا مگر صرف اس مطلع پر معذرت چاہی کہ

میرے دلمیں تمنائے دکن کچھ اور کہتی ہے ؛ مگر یاد امیر لیے وطن کچھ اور کہتی ہے

ہائے اس میں شک نہیں کہ منشی امیر احمد صاحب اس زمانہ آخر میں آپکے بڑے صاحب فن دوست تھے - پھر ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز کی موت کسطرح صدمہ عظیم نہوتا -

یہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۲۸ راگست سنہ ۱۹۰۹ء سے اسوقت تک کوئی تحریر اوستاد تسلیم کے دست خاص کی میرے نظر افروز نہیں ہوئی - ہمارے دیرینہ عنایتفرما جناب ناظم محمد یار خاں صاحب جنکے مکان میں اوستاد تسلیم کا اب قیام ہے اور برابر حاضر و غائب وہ اونکے غمخوار ہیں جواب عریضہ دیا کرتے ہیں بوجہ پیرانہ سالی مجھکو چنداں کاوش بھی نہیں ہوئی کہ وہ خود ہی تحریر فرمایا کریں مگر اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں چند شبہات کے جواب کی ضرورت لاحق ہوئی اور چاہا کہ دم آخر تک کچھ کلام تازہ اپنا بغرض اصلاح بھیجدوں چنانچہ بھیجا - تو بہت اصرار پر ناظر صاحب کا یہ عنایت نامہ صادر ہوا -

جناب والا زاد عنایتکم سلام علیکم - جناب کا خط معہ رباعیات و غزل پہونچا حضرت اوستاد کو سب سنا دیا اب اونکی سمع و بصر میں بہت فرق آگیا ہے اوستاد سے پڑھا نہیں جاتا - میں نے بہت اصرار سے آمادہ کیا ہے کہ جواب خط میں لکھدونگا آپ بطور نشانی جسطرح ہو دو سطریں لکھدیجیے - وہ جب لکھتے ہیں تو ایک حرف کے دو دو حرف ہوجاتے ہیں - اور الفاظ پر لکھدیتے ہیں - کبھی شعر کہتے ہیں تو یاد کے واسطے اٹکل سے کچھ لکھ لیتے ہیں پھر دوسرے وقت اوسکو کسی سے صاف کرا لیتے ہیں - آپکے شعر دیکھیے - شعر

بگڑ کر یہ صحرا میں دکھلائی آنکھ ؛ ہرن بھی وہاں سے ہرن ہوگیا

کی بابت کہا کہ اس محاورہ پر عرش کا شعر صحیح ہے اوسکے لئے یہ بہت اچھا ہے اگر نشہ والے کو کوئی کہے کہ نشہ ہرن ہوگیا یعنی نشہ جاتا رہا اور ہرن ہونے واسطے بھی کہہ سکتے ہیں مگر چلے جانیکے واسطے عام کے لئے ٹھیک نہیں نشہ کے لئے خاص کر بہت موزوں ہے اور کہا کہ تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ کل پرسوں تک اونکے قلم سے آپ کے اطمینان کے واسطے خط ارسال ہوگا اور سب خیریت ہے یہ کارڈ جوابی آپکا مدت کا آیا ہوا تھا اسی پر اسوقت عریضہ ارسال ہے استاد سلام علیک فرماتے ہیں ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء

محمد یار خاں از رامپور

اسکے بعد گرامی نامہ اور اصلاحی تحریر کا بہت انتظار رہا مگر بعد چندے وہ غزل بعینہ واپس آئی اوسکے ساتھ ملبسل تسلیم صبر رامپوری کا ایک خط تھا وہ یہ ہے

مخدومی مکرمی جناب بہائی صاحب آداب عرض ہے۔ والا نامہ پہونچا آگہی پائی قبلہ استاذی مدظلہ العالی نے آپکی غزل مع رباعیات کے سُنی مگر کیا کریں مثل دیوار ہیں نظر بالکل بیکار ہوگئی۔ کانوں سے معذور ہیں دست و پا بھی بالکل بیکار ہیں چلنا پھرنا سب جاتا رہا غزل وغیرہ سنکر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ٹھیک ہے۔ زیادہ غور سے دیکھنے کے قابل اب میں نہیں رہا یہی لکھدو۔

صبر رامپوری

قول فیصل مذکور اپنے طور پر میں نے اس شعر کو یوں بنالیا ہے۔ ؎

بگڑ کر صبح ایسی دکھلائی آنکھ ٭ ہرن کا نشہ بھی ہرن ہوگیا

چلے چھوٹا چکا۔ اور افسوس گرامی نامہ تسلیم کو جو ۲۲ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء میں ملا تھا استاد کی تحریر آخری جانکر میں نے سطور سرمایۂ حیات رکھ چھوڑا تھا کہ وہ تسلیم جسکی کل تک تحریر بھی نظر افروز ہوا کرتی تھی آج ایسے معذور ہوگئے کہ ہم تحریر و بیان دونوں افتادہ کے لئے خواب و خیال ہیں۔ خود فرماتے ہیں

ہر کہ دل کے قسم پھیری دم انکو کیا کہئے ٭ جینے کا یہ عالم ہے مرجانیکو کیا کہئے

ناظرین پر اونکی بیکسی اور دماغی کیفیتوں کو میں نے صریح طور پر روشن کر دیا اب وہی سمجھے بتلائیں کہ اس زمانہ میں اونکی تحریر یا تقریر پر اگر کوئی خر دماغ جاہل معترض ہو تو حماقت نہیں اور کیا ہے۔ شاید اپنی شہرت کے لحاظ سے اونکے سروں پر یہ جن سوار ہو گیا ہے۔ بہر حال میں جناب ظہیر دہلوی یادگار ذوق کا ممنون ہوں کہ انہوں نے از راہِ حق گوئی اوس تحریر میں جو اغلاط احسن میں درج کرنے کو صبر صاحب کے پاس بھیجا ہے اوستاد تسلیم کے اوستاد مسلم الثبوت ہونے کا اعتراف کیا ہے معترضین کے اگر آنکھہ ہوتی تو وہ اون مقطعوں ہی کو دیکھہ کر نادم ہو گئے ہوتے اور اعتراض کا قصد نہ کرتے۔ تسلیم ؎

بد حواسی یہ بڑھی ہے دم پیری تسلیم ؛ اب جو کچھہ کہتے ہیں یار اونکو سنا لیتے ہیں

پھر فرماتے ہیں

نتیجہ سمجھے اسے تسلیم بد حواسی کا ؛ اگر میری غزل میں نکتہ چیں کوئی خلل دیکھے

صبر صاحب کو بھی لازم ہے کہ وہ ایسے جھگڑوں سے باز آئیں اونکو اگر کوئی خطاب ملا ہے تو اسلیئے نہیں کہ وہ باعث فساد ہو

طریقہ اصلاح

راقم کو امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ شمشاد سبکا طریقہ اصلاح کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ملحوظ تو تصنیف علامہ شمشاد کے عنوانِ اصلاح کو میں سب پر فوق دیتا ہوں مولانا ظہیر احسن شوق کو خدا جوار رحمت میں جگہہ دے کہتے تھے کہ موجودہ اساتذہ لکھنؤ میں جو علمی قابلیت اور تحقیقاتِ فن جناب شمشاد کو ہے کسیکو بھی حاصل نہیں اوستاد تسلیم بھی اس خیال کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں باوجود اپنی کبر سنی اونکو مخدوم و مکرم جانتا ہوں۔ چنانچہ اوستاد کی حضرت شمشاد مدظلہ کا جب دیوان اول چھپا تو جناب تسلیم نے یہ تاریخ ارشاد فرما کر ایک پر علامہ شمشاد کی بابت اپنا خیال اسطرح ظاہر فرمایا کہ۔

زہے اوجِ کمالِ ذکرِ شمشاد ٭ کہ از ادراکِ حدش عقل حیراں
بہ علمِ شاعری یکتائے عالم ٭ بوالا گوہری بے مثلِ دوراں
پئے تاریخ کردم فکر تسلیم ٭ کہ باشد شیوۂ موزوں کلاماں
بگوشم از رہِ لطفِ غیب آمد آواز ٭ بگو دیوانِ استادِ سخنداں
۱۳۴۲ھ

مگر جناب تسلیم کے عنوانِ اصلاح کا ڈھنگ کچھ اور ہی ہے یعنی دو چار لفظوں کے ردّ و بدل میں شعروں کو چمکا دیتے ہیں۔ درد انگیزی۔ بلندیٔ مضمون یہ حصہ انکا ہے۔ اور منتہی لوگوں کے اصلاح کے کام کے ہیں اسلئے کہ زیادہ تر حل، تشبیہ اور وضاحت یہاں نہیں۔ اور مولانا شمشاد کے یہاں بال کی کھال کھینچی جاتی ہے۔ متروکاتِ رشک کی پابندی الگ ہے وہاں۔ یہاں۔ واں۔ پہ۔ وغیرہ کچھ نہیں اونکا یہ خیال ہے کہ کچھ ہو عیب نہ رہے اور شاگرد باخبر ہو جائے۔

میں نے استاد تسلیم کو اول اول جب غزل اصلاح کو مرزاپور سے بھیجی تھی تو آپ نے یوں تحریر فرمایا۔

گرامی نامۂ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام سنت الاسلام مظہر مدعا ہوں کہ آپکا عنایت نامہ مع ایک غزل کے آیا حال معلوم ہوا۔ پہلے میں شکریہ اس بات کا ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عزت افزائی اور قدردانی کی راہ سے مجھے اس قابل سمجھا کہ ایسی بلند غزل کو میں بنظر اصلاح دیکھوں میں مرادآباد گیا ہوا تھا جب آیا تو آپ کا عنایت نامہ دیکھا۔ اسی وجہ سے جواب لکھنے میں دیر ہوئی۔ معافی کا امیدوار ہوں آپکے اصرار سے غزل میں دو ایک جگہ میں نے دخل دیا ہے اسکو دیکھ لیجئے میرے خیال میں آپکو چنداں ضرورت اصلاح نہیں۔ آپکا خادم امیراللہ تسلیم

خاکسار کی طبیعت اوس زمانہ میں منیر مرحوم کے کلام کی دلدادہ تھی اور رشک کے متروکات کی پابندی بھی اوستاذی علامہ شمشاد مدظلہ کے علم سے

کرلینا بڑی کٹھی اور ابتک ہی اور اسی قید کے ساتھ اوستاد تسلیم نے مستفیض اصلاح فرمایا ہے۔

غیر اصلاح

رہیگا یاد اُچھلنا وہ تنِ بسمل کا مقتل میں :: شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہو کر

اصلاح از اوستاد تسلیم

اُچھلنا رنگ لایا ہے تنِ بسمل کا مقتل میں :: شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہو کر

رنگ تصویر میں جو رنگ آمیزی اس چست بندش کے ساتھ کی گئی ہے اوس سے شعر رنگین ہو گیا ہے - سبحان اللہ -

غیر اصلاح

چھپا صحرا میں چاکِ دامنِ مجنوں غبار ایسی :: خطوطِ نقش پارہ رہ گئے تارِ رفو ہو کر

اصلاح

چھپا صحرا میں خاک اونسے نہ چاکِ دامنِ مجنوں :: خطوطِ نقش پارہ رہ گئے تارِ رفو ہو کر

اس تعقیدی لغزش کو جس خوبی سے اوستاد تسلیم نے دور کیا ہے اوسکو نو مشق شاگرد ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہے -

غیر اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے :: جسکی ہر زنجیرِ در تلوار ہے

اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے :: جسکی ہر محرابِ در تلوار ہے

زنجیر اور محراب ان دونوں میں کیا فرق تھا وہ ظاہر ہے تلوار کی تشبیہ میں کسقدر آبداری آگئی ہے - [illegible]

غیر اصلاح - آنکھ اوسکی صورت کا منظور ہے :: اور جو تارِ نظر دیوار ہے

اصلاح - اوسکی تپلی صورت منظور ہے :: اور جو تارِ نظر دیوار ہے

اس ایک لفظ کے ردوبدل میں کیا بات پیدا ہو گئی اسکی عینی شہادت کو تپلی کافی ہے -

غیر اصلاح - [illegible]

تو ضیح اصلاح - [illegible] میں ایک [illegible] طول ہے کیونکہ [illegible]

[illegible] ایسا ہی لکھا ہے -

غیر اصلاح - عرش وہ جھومتا ہوا دیکھو ؛ آرہا ہے شراب خانے سے
(آنے سے جانے سے طرح نکلی)

توضیح اصلاح - مرکب لفظ کو ہندی کرنے سے ہمارے استادوں نے منع کیا ہے۔ مفرد کو مضائقہ نہیں - جیسے فسانہ - مرکب لفظ میں جو واضع نے ترکیب دیگر معنی قرار دیا ہے وہ جاتا رہتا ہے - جیسے شرابخانہ بمعنی خانۂ شراب و خانہ ئی - ہندی ہونے سے ترکیب مقلوب نہیں رہی -

چند فوائد سخن ؛

یہ ساری بحثیں آپکی نفع کے لیئے کی گئی ہیں ورنہ چنداں ضرورت نہ تھی

(از گرامی نامۂ تسلیم) - محبی مشفقی زاد عنایتکم - بعد سلام مسنون کے واضح ہو دیوان آپکا پہونچا اور ایک لفافہ بھی آیا - کچھ میں نے دیکھا ہے کچھ باقی ہے - رمضان کے مہینے نے بیکار کر دیا اور ز ہیں کچھ موقع نہیں دن بھر روزہ - گیارہ بجے شب تک قرآن سننا شغل کر دیا ہے - عنقریب دیوان آپ کا دیکھکر روانہ کرونگا حسب دریافت عرض ہے کہ سورۂ یٰسین و قصہ لقمان کے نون کا اعلان حالت اضافت میں جائز نہیں - اسکا یہ قاعدہ ہے کہ آخر میں نون ہو اور ماقبل نون کے حرف علت واقع ہو اور حرف علت کے ماقبل کی حرکت موافق نہو اوسوقت اعلان نون معہ اضافت جائز ہوگا جیسے دل فرعون عجب حسین - الفت سبطین - قبلۂ کونین - کعبۂ دارین - دیکھو ان لفظوں میں حرکت ماقبل حرف علت کے موافق نہیں یہ قاعدہ مفصل پھر لکھونگا -

محمد امیر اللہ تسلیم

زمانہ ہوا میرے دیرینہ عنایت فرما حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی نامہ نگار پنچ نے اک غزل چھپوائی تھی - گرداب دیکھا ہے - سرخاب دیکھا ہے - اوسمیں اک مصرع کہا - ع - رخ مہتاب پر چھینٹے ہوئے مہتاب دیکھا ہے - میاں یعقوب اوج نے جو اس عہد میں میرے معتقد تھے اس غزل پر غزل لکھی تھی اور

اور لاہور پنچ کے ذریعہ سے آزاد صاحب سے چھیڑ نکالی بالآخر قصہ طول ہوا - اور آزاد صاحب کو میرے اس نالائق شاگرد کے آگے شکست ہوئی۔

(گرامی نامہ تسلیم) مجھی مشفقے زاد عنایتکم - بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں - مہتاب یعنی آتشبازی واقعی مونث ہے جو شعر آپ نے کسی کا لکھا ہے اوس میں مذکر لکھا ہے غلط - وہی ہے چاہیے جس لفظ کی جمع ی - ں - کے ساتھ بنے وہ اکثر مونث ہے جیسے بلبلیں - دیواریں - وغیرہ

امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۴ دسمبر سنہ ۱۹

آزاد کی تحقیقات فن کی نسبت مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی طولانی بحثیں موجود ہیں - اتنا ضرور ہے کہ ہمارے صوبہ کے آزاد عظیم آبادی کی ذوات مولانا حالی یا اکبر حسین الہ آبادی وغیرہ سے کم نہیں انگریزی تراش کی نظمیں خوب لکھتے ہیں ایشیائی شاعری اور تحقیقات فن [illegible] ایک بار میں نے جوبن یعنی پستان نظم کیا تھا - اوس پر جناب تسلیم نے لکھا کہ بھائی دلی والوں کا یہ مذہب ہے ہمارے یہاں یہ لفظ بمعنی حسن آیا ہے البتہ منشی امیر احمد صاحب کے یہاں بمعنی پستان بندھے ہیں اسکو بہار [illegible] حسن کے معنی میں جائز رکھتا ہوں - فافہم

ہمعصری اور احباب کی صحبتیں

بابِ ہمعصری میں نواب اصغر علیخان نسیم کی مقبولیت لکھنؤ میں ناسخ مرحوم کے بعد ہوئی - شیخ امام بخش ناسخ جو لکھنؤ کی شاعری کے جان اور شعرا کے امام مانے گئے اونکا تذکرہ نسیم نے اپنے دیوان میں اکثر کیا ہے اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا - ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ناسخ مشہور تھا استاد یکتا اے نسیم
لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

ناسخ کے تلامذہ میں بحر - رشک - خواجہ وزیر وغیرہ جناب نسیم کے ہمعصر تھے اور بوجہ کبر سنی جناب تسلیم بھی ان اصحاب کے ہمعصر کہے جا سکتے ہیں مگر

نسیم کی شاگردی کے لحاظ سے میں اسکو پسند نہیں کرتا۔ مگر رشحاتِ صفیر بلگرامی میں جسکی ترتیب عہدِ غالب۔ و بحر۔ رشک و اسیر وغیرہ میں ہوئی تھی اوس میں انہیں حضرات کے نام کے ساتھ ساتھ جناب تسلیم کے شعروں کی بھی سند موجود ہے جس سے اوس عہد میں تسلیم کا مستند ہونا ظاہر ہوتا ہے اگر یہ اونکے ہمعصر نہ ہوتے تو اونکا نام بھی امیر و داغ۔ جلال وغیرہ کی طرح وہاں پر نہ ہوتا۔ یہ رسالہ غالب کی تقریظ سے سراپا مستند ہے کسی اور کی تصدیق کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بہرحال ان سارے وجوہ کے موجود رہنے پہ بھی بخیال نسیم میں تسلیم کو۔ تلق۔ قبول۔ برق۔ منیر۔ اسیر۔ رند۔ صبا وغیرہ کا ہمعصر سمجھنا مناسب جانتا ہوں گو فرطِ انکسار سے آپ نے اپنے کو ان کا صاحبانِ فن کا خادم تصور فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے ہمعصر اوستادوں کو بھی اپنا مخدوم و مکرم جانا۔ ہر چند کہ زمانہ تسلیم کر چکا کہ آپ خاندانِ مومن و نسیم کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر منشی اشرف علی صاحب کو نسیم کا شاگرد اول سمجھکر ہمیشہ واجب التوقیر خیال کرتے رہے۔

از گرامی نامہ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام مسنون کے متلمس مدعا ہوں منشی اشرف علی صاحب خوشنویس نسخ و نستعلیق منشی نولکشور کے قدیم ملازم ہیں اور مرزا نسیم مغفور کے شاگرد اول۔ بہت کچھ کہا ہے لکھنؤ اشرف آباد میں رہتے ہیں۔
امیر اللہ تسلیم

اکثر یہ بھی فرمایا کہ منشی اشرف علی کا پایہ تلامذہ نسیم میں بہت بلند ہے بندہ خدا نے بہت کچھ کہا مگر بستے کے بستے بندھے پڑے ہیں اگر کلام انکا جمع کیا جاتا تو دو تین دیوان ہوتے۔ (منشی صاحب موصوف کو میں نے بھی لکھنؤ میں دیکھا تھا آدمی منکسر تھے چند سال ہوئے کہ لکھنؤ کا یہ مخفی خزانہ کمال بہ حالت گمنامی کے ساتھ دنیا سے اوٹھ گیا۔ حیاتِ تسلیم مطبوعہ لاہور میں جو انکو مصطلحات زبان اردو کا مصنف غلطی سے بتلایا گئے وہ بھی

اشرف علی نہیں ہیں وہ ایک دوسرے بزرگ کشمیری تھے اور وہ اخبار
کے عملۂ صحت میں عرصہ تک رہے تھے۔ منشی اشرف علی صاحب کی کہی ہوئی
تاریخیں متعدد کتبہائے قدیم مطبوعہ مطبع نولکشور میں موجود ہیں عاشقانہ شعروں
کے لحاظ سے مجھے صرف یہ دو شعر یاد ہیں ؎

روح نکلی تن سے جب بیکل ہوئی ؛ یوں شب فرقت کی مشکل حل ہوئی
دید کی حسرت رہی دل میں میرے ؛ تیغ ابرو سے نظر گھایل ہوئی

انکی نسبت علامہ حضرت شمشاد فرنگی محلی فرماتے تھے کہ میں نے صغیر سنی
میں شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم کے ساتھ دیکھا تھا۔ آدمی نہایت خلیق تھے
پرانی وضع کے لوگوں کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کو لکھنؤ چوک
میں ایک کتب فروش کی دوکان میں بیٹھا ہوا دیکھا مجھکو دیکھکر کہنے لگے
کچھ شعر اپنے پڑھو اونکے اصرار پر جو کچھ یاد تھا میں نے پڑھ دیا کہنے لگے کہ یہ لڑکا
ایک زمانہ میں بڑا ماہر فن ہوگا۔ چنانچہ واقعی خاندان ناسخ میں آپ کی ذات مقطع
سخن ہے خود فرماتے ہیں ؎

تا حشر منقطع نہ ہو ناسخ کا سلسلہ ؛ شمشاد شاعری ہے اسی خاندان تک

نسیم کے شاگردوں میں۔ اشرف۔ عبداللہ خاں مظہر۔ مرزا چھو بیگ عاشق
وغیرہ جناب تسلیم کے ہمعصر تھے مگر مقبولیت خداداد جناب تسلیم ہی کو حاصل
ہوئی۔ اگر منشی ولایت علی صاحب خوشنویس لکھنؤ اپنے بھائی جناب اشرف کا
جمیع کلام جو اونکے پاس ہے چھپوائیں تو اون کے خیالات کا اندازہ بھی ہو جائے
کہ اوس میں اکثر ذکر جناب تسلیم کا ہے اور ممکن ہے کہ اوسی بستے میں نواب
اصغر علیخاں نسیم کے ہاتھ کے اصلاحی خطوط وغیرہ بھی ہوں۔ ان چیزوں کو اب
زمانہ اور کسیطرح نہیں دیکھ سکتا ہے اسلیے کہ جو کچھ نوشتہ اونکا کتبخانہ اوستاد نسیم
کے پاس تھا مع دیوان اصلاحی ۵۷ء کے غدر میں جب لکھنؤ سے نکلے تھے
لٹ گیا۔ ایک پرزا بھی جناب نسیم کا باوجود تلاش نہ ملا اور اون کو نہایت افسوس

جناب تسلیم مرحوم کے دفتر خاص کے تلف ہونے کا ہے جسمیں مومن خانصاحب کی ہی قلمی تصنیف کی نقل بھی ہے جس میں بسیط بحث وجہ تشبیہ کی تھی۔ یہ وہ سفینہ تھا جو ہمیشہ مومن خاں صاحب کے سینے سے نکل کر سینہ میں محفوظ رہا تھا۔ افسوس کہ قوم کی ناقدردانی سے یہ چیزیں عالم وجود میں آ کر عنقا ہوگئیں ہائے

طوف ہر نخل کرینگے صفت گرد نسیم ؛ ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

نسیم کے تلامذہ میں مہر کی بابت استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ عبید اللہ خاں مہر خلف مصطفےٰ خاں صاحب مطبع باقر تلامذۂ نسیم میں تھے۔ ان کو پہلے ناسخ کے ایک شاگرد کی شاگردی حاصل تھی جب نسیم لکھنؤ میں آئے اور انکی دردانگیزی کلام کا شہرہ ہوا تو یہ بھی اسی باغ کے گلچین ہوگئے۔ زمانۂ قیام کلکتہ میں ناسخ سے خوب خوب چھیڑ رہی کہتے ہیں کہ کلکتہ کے مشاعرہ میں جو کچھ پڑھا ہمیں سنایا تھا کچھ یاد نہیں صرف ایک مطلع مہر کا یاد ہے

آپ لسانی و تقریر کی کیا لیتے ہیں ؛ ہم سخن ساز کو باتوں میں بنا لیتے ہیں

منشی اشرف علی صاحب کی نسبت کہتے ہیں کہ بعد مرگ نسیم محبت کی راہ سے ایک روز اپنے چند شعر مجھے سنائے تھے جب یہ مطلع پڑھا

گو فصل گل آئی ہوئی جنبش فزوری بھی ؛ اللہ بڑا قہر ہے یہ بال و پری بھی

تو میں نے کہا کہ بھائی۔ فزوری نہ کہا کرو اسلیے کہ ذرا مخفف فزورہ کا ہے اسکو تم نے اور مخفف یہ یائے تانیث کر دیا۔ تو منشی اشرف علی نے اس مطلع کو اپنی غزل سے نکال دیا۔

جیسا کہ زمانۂ قیل و قال میں ہمعصروں کی چھیڑ چھاڑ مشہور ہے آپ نے ہمیشہ اس رشک فن میں اپنے دل کو رنج سے پاک رکھا کوئی صحبت کوئی جلسہ کوئی ماہر فن آپ کے دربار میں نہیں گذرا جس نے محبت کے ساتھ بسر نہ کی ہو آخر زمانہ آپکا رامپور کے مجمع ماہران فن میں گذرا جہاں ہر مزاج کے لوگ موجود

سکھے یہاں تک کہ خدا بخشے حکیم ضامن علی صاحب جلال کو اپنی نازک مزاجی
میں میر تقی مرحوم کے تمام کو زندہ کرنے والے تھے انکے ساتھ کو شوق
ہموی شاگرد تسلیم کا طولانی جھگڑا ہو گر اس جھگڑے میں کبھی جناب
تسلیم نے مرحوم جلال کی محبت کو نہ چھوڑا اور اس فساد سے بالکل الگ رہے
رہے جب جلال ترک رامپور کے بعد لکھنؤ چلے گئے تو وہاں بھی جب
کبھی استاد تسلیم گئے مرحوم سے ملتے جلتے رہے۔ غرض یہ کہ جناب
تسلیم کا عجز نمایشی نہیں اپنے کو بوجہ کریم النفسی ہمیشہ بے حقیقت جانا
اور شعر و شاعری کے اخباری چھیڑ چھاڑ میں اپنی فطرت سے ہرگز شریک
نہ ہوئے۔ اگر مقتضائے انسانی شاید ابتدائی عمر کے کسی حصہ میں ایسا
ہوا بھی ہو تو وہ رنج آپکا کسی ہوا کے جھونکے سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ
آپ نے حسن اخلاق کا نام بقائے دوام رکھا ہے اور انہوں نے شیوہ بنایا
جل بجھا ہر وقت زباں پر جائے ان ہنگاموں سے کچھ ہی رہ گیا ہے ۔

چھوڑ دنیا کو سوئے ملک عدم چل تسلیم ۔ راستہ تکتی ہے گور غریباں تیرا

ان کے مزاج تک تو انکا کوئی بھی شاگرد نہیں پہونچا مگر امیسان کی یہ ہے
کہ جب اب جھگڑا انکے شاگردوں نے چھیڑا آپ نے برا سمجھا اور
منع کیا اگر زمانہ حال میں بلبل تسلیم والی تکرار ہوتی تو اونکو بھی آپ نے
روکا ہوتا۔ میرے بدخواہوں نے جو لاہور پنچ میں چند سال تک
داغ سے چھیڑ نکالی تھی مجھکو اس کی بابت برابر لکھا کہ کوئی کچھ کرے تو
الگ رہو احباب میں بھی جب کبھی ایسی کشمکش رہی ہوئی اب سنتے وہیں
رفیع الشعرا قہر نمایش کے پہلو نکلا آغا علی شمس
میں جو کشمکش رہی درمیان زہرا و مشتری اور شمس مرحوم کے ہوئی
تھی اوس میں اس فرقہ غیر مانوس کے نام فہمایش کا بھرا ہوا خط لکھکر تحریر
صلح ہوئے وہ نامہ نامی کلیات تسلیم میں موجود ہے اس قصہ کی شرح

یوں کرتے ہیں کہ - آغا علی شمس سے میری ملاقات تھی مرد شریف نجوا
تھا نواب محمد تقی خاں سالار جنگ کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا ایک شاہی
محل کا داروغہ بھی تھا - زہرا و مشتری کو فارسی پڑھاتا تھا - زہرا نے آخر
کو کسی سے لکھنؤ میں نکاح کر لیا اور مشتری رامپور میں دو سو روپیہ ماہوار
کی نوکر ہو کر چلی آئی - اوسی زمانہ میں وہ نامہ منظوم میں نے لکھا تھا
او استاد تسلیم سی باوضع متقی شخص نے یہاں پر صرف حافظ کے اس شعر
کی تقلید کی ہے۔ ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ؛ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

آپ کے سامنے احباب کی بے فکریوں کا عجیب عجیب زمانہ گذرا - عہد
امیر علی اوسط رشک شاگرد رشید ناسخ میں جو استعارہ کی ہوا چلی تھی
اور جس کی مخالفت جانصاحب ریختی گو نے کی یہ سب واقعہ آپ کے
سامنے گذرا قائل کی شاعری کی بہار آپ نے خوب دیکھی - قائل ؎

چھرا چلا فلک پہ بت خانہ جنگ کا ؛ چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کتا تفنگ کا

رشک کی مشہور غزل ؎

چاول الماس گوشت لخت جگر ؛ فرقت یار میں پلاؤ نہیں

اس کے مقابلہ میں جو متعدد اشعار جانصاحب نے کہکر رشک کے
نام مشہور کیئے ؎

دور سے چھیچھڑے ہلاؤ نہیں ؛ رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

یا منیر مرحوم کے ایسے اشعار ؎ پیٹھ پر تیر سے پڑیں کرتی کی چھڑیاں تو سہی
یہ سب آپ کے سامنے کی گلفشانیاں ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ اسی
زمانہ سے اہل لکھنؤ نے استعارہ کو ترک کرنا شروع کیا اور مرحوم
رشک کہ تاویلات اور استعارہ کا بادشاہ تھا اپنی جدت کلام کی
مقبولیت میں محروم رہا - رشک کو اس رنگ میں اسقدر دخل تھا

کہ جب منیر شکوہ آبادی خدمت ناسخ میں بغرض اصلاح گئے تو دو چار
غزلوں کی اصلاح کے بعد اون کو رشک کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ تجھکو
اونہیں کی ذات سے فائدہ پہونچے گا۔ مرحوم منیر کی بابت فرماتے
ہیں کہ یہ شکوہ آباد کے تھے ناسخ کے بھی شاگرد تھے اور رشک کے
بھی رامپور میں بہ زمانۂ کلب علی خاں ملازم ہوئے اس سے قبل فرخ آباد
میں اور روش سے پہلے نواب علی بہادر کے ملازم رہے بزمانۂ غدر میں
بجرم بغاوت کالے پانی بھیجدئے گئے تھے پھر وہاں سے رہا ہوکر
آئے۔ طبیعت زبردست۔ معلومات خوب تھی۔ ہر رنگ میں قادر تھے
اپنے اوستاد کے رنگ میں بھی کہا کرتے تھے۔ دو دیوان انکے رامپور
میں چھپے اب کم یاب ہیں۔ میں نے اونکے طبع دیوان کی تاریخ کہی تھی

قطعہ

زہے اوجِ مہرِ کمالِ منیر ؛ ملی اہلِ فن میں کسے شان یہ
چھپے تین دیوان ایک سال میں ؛ مرا جنکی نسبت ہے ایمان یہ
دل و دیدۂ اہلِ تحقیق پر ؛ فصاحت بلاغت کی ہے جان یہ
کہا فکرِ تسلیم نے بہرِ سال ؛ چھپے خوب بے مثل دیوان یہ

واجد علی شاہ کے مشاعروں کی بابت کہتے ہیں کہ جناب رشک بھی
شریک ہوتے تھے۔ رشک نے ایک مرتبہ فارسی محاورہ میں پانی
کا لفظ باندھا تھا بادشاہ نے کہا کہ جب پانی فارسی ہے تو اردو میں کیا
کہینگے رشک نے کہا نم۔ بادشاہ نے فرمایا ابھی تک بچپن نہیں گیا
(بچے پانی کو مم کہتے ہیں) بادشاہ کو یہ لفظی دست اندازی اسقدر
ناگوار ہوئی کہ حکم دیا آیندہ رشک میرے مشاعروں میں نہ آیا کرے
شاعری اور شاعروں کی اس سے بدنامی ہے۔
جان صاحب کی بابت جناب تسلیم فرماتے ہیں۔ کہ نواب عاشور

علی خاں کہ شجاع الدولہ کی اولاد میں نہایت سخن فہم رئیس تھے
مگر کسی مشاعرہ میں کبھی شرکت نہ کی نہ کسی کو اپنا کلام سنایا۔ انکے یہاں
جان صاحب جو زمین سے بہتر کہدی وغیرہ تصنیف ہوا کرتے تھے نواب صاحب
سفحہ کے شعر کہہ کر ان لوگوں کو دیدیا کرتے تھے اور یہ لوگ
اپنی ذریعہ سے مشاعروں میں شریک ہو کر لوگوں کو خوش کیا کرتے
تھے۔ کہتے ہیں کہ جان صاحب قوم کے بڑھئی تھے۔ میر یار علی نام تھا۔
شرف الدولہ کے مکان کے متصل حسین آباد میں رہتے تھے۔ ان کو
نواب عباس علی خاں نے اوسی رنگ کا کچھ کچھ شاعر بنا دیا۔ آدمی بے
علم تھے۔ نواب دروازہ کی آمد و رفت میں مشہور ہوگئے یہانتک کہ عہد
کلب علی خانی میں رامپور آئے اور پچیس روپیہ تنخواہ بھی سرکار سے مقرر
ہوگئی مگر محتاجی میں بسر ہوئی۔ ان کے لوگ ہنوز رامپور میں خراب
حالت میں موجود ہیں۔ جان صاحب ایک بار بوجہ مسخرگی کے نیر عتاب
واجد علی شاہ بادشاہ ہوئے تھے شہر بدر کئے جانے کا حکم ہو چکا تھا چند
مقربین کی سفارش سے حکم منسوخ ہوا۔ جان صاحب کا کلام ریختی میں ہم نے
سنا تھا بہت خوب پڑھتے ہیں خبر نہیں کیا ہو گئے کہاں گئے ریختی میں
کمال ہے

امانت کو بھی جناب تسلیم نے خوب دیکھا۔ کہتے ہیں کہ اندر سبھا
واسوخت۔ ٹھمریاں وغیرہ بہت خوب کہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ان واقعات
کو زمانہ ہوگیا کہ اب اسکی یاد کچھ سینے میں باقی نہیں۔ (امانت کے
بیٹے سید عباس حسن صاحب فصاحت ہنوز لکھنؤ میں موجود ہیں اور
ہمارے غائبانہ مہربان خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت سیکریٹری
انجمن اصلاح سخن کی تحریر سے اس زمانہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ فصاحت
لکھنؤ کے باآبرو شعرا میں داخل ہیں اللہم زد فزد۔)

وضع اور مذہبی عقائد

پرانی چال کی وضع نفاہت اور وجاہت سے مملو – اب عمامہ باندھنے لگے – پہلے دو پلڑی کلاہ رکھتے تھے کبھی چکردار ٹوپی رہی – اچکن اور عبا پہنتے ہیں اور ڈھیلا ڈھالا پاجامہ ہمیشہ سے – قد و قامت صورت شباہت پر سپاہیانہ دم خم – اب ڈاڑھی زیادہ بڑھا دی – پہلا فوٹو جو حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں چھپا اوسوقت تک ڈاڑھی اوسط درجہ پر تھی –

عقاید سنیہ حنفیہ کے ابتدائی عمر سے پابند – صبر و رضا و قناعت جو شیوہ بزرگان قدیم کا تھا آپ میں پورے طور پر موجود ہے – کبر و اہل کبر دونوں سے ازلی نفرت – اسلامی پابندیوں میں مثل کوہ قایم و ثابت – بعد نماز صبح وظیفہ بلاناغہ دو مرتبہ تلاوت قرآن اور کثرت درود شریف لازمی – دوران علالت میں بھی نماز اور وظیفہ کو کبھی ترک نہیں فرمایا – یہانتک کہ شدت مرض اور عالم بیہوشی میں بھی زبان پر آیات قرآنی جاری رہے – اب کا کیا ذکر ہے اسوقت تو آٹھ پہر ورد و وظایف کا مشغلہ ہے جسکی عینی شہادت کو تیسرے دیوان کا فوٹو موجود ہے – انگریزیت کی ہوا بھی آپکے دامن تک کبھی نہیں آئی – یہانتک کہ فوٹو کیا بلا ہے آپ اس زمانہ میں اوس سے بھی واقف نہ تھے جب خاکسار نے اول اول بڑی ضد کی تو آپ نے کہا کہ بھائی میں شاہی زمانہ کا آدمی ہوں یہ بھی نہیں جانتا کہ فوٹو کس طرح کھنچتا ہے کیا ہوتا ہے پھر بھی تیسرے تقاضے پر رامپور کے ایک مصور کے پاس گیا تھا اوس سے خدا جانے کیوں تصویر نہ کھنچ سکی اس شرم سے بندۂ خدا نے ملاقات بھی ترک کر دی اب قصد ہے کہ مرادآباد جا کر تمہارے حکم کی تعمیل کر دوں – یہانتک کہ سینکڑوں تقاضے پر آپ مرادآباد گئے اور سولہ روپیہ میں خدا جانے کس لٹیرے نے تین تصویریں کھینچ دیں جنمیں سے دو مجھے بھیجدیں ایک کوئی اور لے گیا میں نے اس نایاب

تھے سو غنیمت جانکر بذریعہ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور ایک نوشتہ کر دیا او
ایک چو کھٹے میں لگا رکھی ہے - اسی کو بغرض یادگار زمانہ میں نے ایک غزل
میں منظوم بھی کیا ہے - ؎

تسلیم کی تصویر ابھی ڈاک میں آئی ⁂ اے عرش وہ اوستاد کا جلوہ نظر آیا

اولاد و اقارب -

پہلی بی بی سے آپکے ایک صاحبزادے مسمی بہ حافظ تجمل حسین ہیں -
یہ لکھنؤ محمود نگر قریب مقبرہ اسد شاہ ہنوز مقیم ہیں - یہ حافظ قران تھے شباب
کے لاابالی زمانہ میں بھول بھال گئے - جسکا سخت صدمہ اوستاد تسلیم کو ہے
وارستہ مزاجی کے سبب سے شادی نہیں کی ہمیشہ آزاد رہے - علم
مناسب - باعتبار خوشنویسی کامل ہیں خط بہت صاف ہے اسی ذریعہ
سے کچھ پیدا کر لیتے تھے اب آنکھوں کی معذوری سے جو بلحاظ عمر ہو گئی
بوڑھے باپ کے بالکل محتاج ہو گئے شعر و شاعری سے انکو کوئی تعلق کسی
وقت میں نہیں رہا - اوستاد تسلیم پہلے سات روپیہ ماہوار بھجوا دیتے تھے اب
کہ نواب والاجاہ نے پنشن مقرر کر دی ہے بارہ چودہ روپیہ ماہوار بھیجدیتے
ہیں دوسری شادی جناب تسلیم کی لکھنؤ میں ہوئی - یہ برابر رامپور میں ساتھ
رہیں افسوس کہ کئی برس ہوئے وہ پیرانہ سالی اوستاد تسلیم کو داغ مفارقت
دیا دفعتاً ہیضہ میں مبتلا ہوکر قضا کر گئیں - اغفر لہا - اون کے انتقال کی تاریخ ہی
ایک قدیم ماما اونکے ساتھ کی رہ گئی تھی بہت کچھ بعد انکے اوسنے حق نمک
ادا کیا وہ غریب بھی اون کے بعد ہی چل بسی - جناب تسلیم اب بالکل تنہا
رہ گئے - اس بی بی سے کوئی اولاد نہیں -

رشتہ داروں میں آپ فرماتے ہیں کہ میرے [illegible] الدین بھائی تھے ایک
بھائی مسمی محمد قاسم لاولد مر گئے دوسرے بھائی اسمعیل تھے - اونکے بیٹے کریم اللہ
تھے اون کے دو لڑکے ہنوز موجود ہیں - ایک قطب عالم قصبہ گونڈہ میں کھاگرہ

۵ روپیہ ماہوار کے محافظ دفتر ہیں دوسرے صاحبزادے بدر عالم مدرس اسکول
ی ہیں انکو للعہ ملتے ہیں قطب عالم صاحب کا ایک لڑکا ظہیر عالم نامی بی - ای
میل علم کرتا ہے - یہ سب خوشحال ہیں - مگر افسوس کہ کسی نے جناب
سے رکن خاندان کا نام روشن نہ کیا -
مدرس صاحب نے جنکا ذکر اوپر آیا مجھے یاد آتا ہے کہ طبع حیات تسلیم مطبوعہ
کے موقع پر مجکو ایک گرامی نامہ لکھا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ گو جناب
کو یاد نہ ہوگا مگر میں اونکے عزیزوں میں ہوں - اور صاحبزادہ تجمل حسین
سرفراز نامے تو برابر آتے ہیں اور میں اون کو بہر طور واجب التکریم جانتا
اور ظاہر و مخفی تلامذہ اوستاد تسلیم سے عرض ہے کہ ہملوگوں پر اونکے حقوق
ہیں انکا حاضر و غائب ادب اور خیال چاہیئے -
ن حضرات کے نزدیک و دور کوئی اوستاد تسلیم کا باقی نہیں ہے آہ سہ ذوق
اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات ؛ رو کر اسے گذار کہ ہنسکر گذار دے
ا شکوہ عزیزان تسلیم سے ہے کہ اوستاد تسلیم کو جو اس زمانہ آخر میں پیغمبر
بان نظم یا ملک الشعرا ہیں اُن لوگوں نے نہ پہچانا نہ اونکی کسی نے خبر لی جسکے
آج غیر آنسو بہا رہے ہیں اوسکا کوئی اپنا پرسان نہو - اس زمانہ میں جو
اہلیت و خدمت کہ اونکے دیرینہ شاگرد جناب محمد یار خانصاحب ناظر
ت رامپور کے ہاتھوں حاصل ہے کسی اور سے نہیں اور اس اعتبار
اس اہل شاگرد کو میں شاگرد نہیں کہہ سکتا بلکہ عصائے پیری - اور یہ
لکھتا ہوں - خدا انکی عمر و اقبال میں برکت دے کہ اس بیکسی میں اوستاد
لیے آپ کی ذات غنیمت ہے -

فیض خواب -

آپ فرماتے ہیں کہ بعد انتقال تسلیم میں نے اونکو کبھی خواب میں
دیکھا میرے اس مطلع کی نسبت سے تسلیم

مرکے بھی شعلہ فشاں ہے دل پر درد مرا ۔ گریہ میاں کرتا ہے ابتک نفس سرد مرا

جو کچھ مشہور ہے غلط ہے ۔ نہ میں نے اسیر نسیم مرحوم سے خواب میں اصلاح
نہ اُس کی بابت کسی سے کوئی ذکر کیا ۔ خبر نہیں کہ یادگار نسیم میں یہ واقعہ کس
نے لکھ بھیجا ۔ سوانح نگاروں کو ذاتی تحقیقات یا اور مختلف طور پر صحت کی
تو ہوتی نہیں معتبر خواہ غیر معتبر جس طرح پر جو سُن لیا لکھ ڈالا ۔

کہتے ہیں کہ روحانی فیض کا میں ضرور قائل ہوں ایک مرتبہ کا واقعہ
مثنوی صبح خنداں لکھ رہا تھا دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور میں ایک مقام
ہوں مومن خاں اسکنہم اللہ فی فرادیس الجنان تشریف لائے اور مجھے کہا کہ
سے اسقدر دور یہانتک کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے مثنوی کو ا
دیکھا تو واقعی اوس مقام کے متعدد اشعار پسند نہ آئے اور میں نے او
ڈالا ۔ اس زمانہ کے لوگ خواب کو خیال تصور کرتے ہیں اور ایسی باتوں
ضعیف الاعتقادی پر محمول فرماتے ہیں

کلام تسلیم

جناب تسلیم کی شاعری لکھنو کے خطۂ شاعر خیز میں پیدا ہوئی اسکی
ڑے ناز و نعمت کے ساتھ نسیم یادگار مومن کی گود میں ہوئی جب
ہوئی تو نسیم کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا ۔ لکھنو والوں کی صحبت
کی سادگی میں کسیقدر طرحداری بھی آگئی غدر میں جہاں لکھنو کی
تلفت لٹ گئی یہ بھی تباہ و برباد ہو کر گھر سے نکلی اور اپنے بوڑھے استاد کے
زمانے میں رامپور آئی ۔ یہاں کی آب و ہوا کسیقدر موافق تھی مگر
کا غلبہ ہوا یہانتک کہ اب سو برس کی بڑھیا ہے کبھی کبھی جوانی کی ا
دکھا جاتی ہے اور یہ امر مسلم کہ اس عہد کے نوجوان سے وہ عالم میں
بوڑھے اچھے ہیں ۔ اب دیکھیے کہ اس غریب کی ہستی کہاں کی ہے
افسوس کہ مجموعہ افکار اول غدر میں ہمراہ اثاث البیت لٹ گیا

ی ابتدا اور انتہا کی تفصیل کرکے ناظرین کو آگے مختلف آب و تاب سے
طلع کرتا اگر کروں کیا مجھکو اس سے شباب کے آخری زمانے سے بحث
پڑی جبسے کہ کلیات تسلیم مرتب ہوا۔ اسکو اگر زمانہ کہولت بھی کہوں تو
ہے

آب و تاب قصائد۔ (درشان واجد علی شاہ)

رشاخ پر پڑہتی ہی بیٹھی عندلیب ؛ خطبہائے مدحت واجد علی شاہ جہاں ؛
ادے ریزش زر کی بدولت ہیں ؛ مختصر ہے طول دامان زمین و آسماں ؛
تھی ایک نگاہ مہر جود روز ازل ؛ آج تک ہی کاسۂ خورشید انور زرفشاں ؛
و مسکین نواز و جرم بخش و ظلم کاہ ؛ صاحب جود و سخا و دستگیر بیکساں ؛
افشانی دامان نسیم خلق سے ؛ ہو رہا ہے حلقۂ آغوش عالم عطرداں ؛
ے تقریر روح افزا تو فرط شوق سے ؛ بلبل تصویر بہر گفتگو کہولے زباں ؛

طرز تغزل۔ در رنگ نسیم

پہ احسان ہے مزار پاک کا ؛ خاک نے پردہ کیا ہے خاک کا
مورت شعلہ ہوں میں نازک مزاج ؛ ناز اٹھ سکتا نہیں پوشاک کا
ٹکے پہونچی آستان یار تک ؛ حوصلہ دیکھو ہماری خاک کا
وں وہ جو دیں سامنے ہنگام پیچ ؛ آئینہ ہے خنجر سفاک کا
سے بیدردی نہیں کوئی شریک ؛ ماتم صبح گریبان چاک کا
ں سے شرم گنہگاری ہی ؛ روز و شب ہے منہ پہ دامن خاک کا

خوف کیا تسلیم روز حشر سے ؛
گرد دامن ہوں شہ لولاک کا

جوان غزل سرائی۔ در طرز اہل لکہنو

قلم سے مضمون شعبہائے بردانکا ؛ جواب دفتر گل ہر ورق ہی اپنے دیوانکا
مجھے کچھ باقی رہا زلف پریشانکا ؛ ملا قسمت سے یہ رونق تختہ سنبلستاں کا

نمونۂ خطِ ہوئی۔ بوسہ لبونکا کون پاتا ہے :: اجارے میں خضر کے اب ہے چشمۂ
بہ رنگ بوئے گل عریاں بستر کی بانگ عالم :: سبکروحی سے نازاٹھانا ہمسے ا
میں وہ آتش قدم ہوں گرمیٔ رفتار سے میری :: بنایا جادۂ صحرا کو رشتہ شمع سوزا
اثر کرتی نہیں اعلےٰ کو صحبت پست فطرت کی :: ہوا دامن نہ گرد آلود عکس ما
ادب آمیزی دستِ جنوں طرفہ تماشا ہے :: جھکا آتا ہے سوئے پا دامن سر گر

مقابل آج ہے تسلیم خستہ اہلِ معنی سے
خدایا آبرو رکھنا تصدق شاہ مردانکا

طریقۂ منظم بطریق رباعی در زمانۂ کتابت مطبع نولکشور

کوئی مخلوق ہوا زہد و عبادت کیلیے :: کوئی پیدا ہوا عالم کی حفاظت
ہم سیہ نامہ تھے مانند قلم اے تسلیم :: آئے اس صفحۂ ہستی پہ کتابت

مثنوی نویسی میں آپ نے غنیمت کے رنگ کی تقلید کی ہے
لکھیں جو لکھنو والوں کے رنگ سے بالکل الگ ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم
رقم فرمائی اور قصہ محمود غزنوی کو منظوم کیا جسکو شکوہ دہلوی وغیرہ نے
عنوان بیان کا اندازہ اس باب سے ممکن ہے (سراپا)

جو دیکھی شکل اوس نور خدا کی	زباں مشتاق ہو صلے علیٰ کی	اکیلی پا کے شب آغوش خالی	لپٹ جاتی
زباں محو جواب لن ترانے	نظر نا آشنائی مہر بانے	ستاروں کو سمجھ کر چشم بینا	نہیں شکوہ
چھپے حسن صفا کیا پیرہن سے	نظر آتی ہے شکل روح تن سے	بنا ہے شوق نازِ دلبری کا	سراپا ہے
لکھے گر خامہ وصف موئے مشکیں	ہر اک نقطہ ہو نافِ آہوئے چیں	جبیں زلفوں سے کب ہو زاختا	قریب صبح ہے
خم ابروئے پیوستہ سے ہر دم	کھنچی ہے تیغ بہر قتل عالم	جو دیکھے رنگ چشم سرمہ سا کا	کیے گردش
کہاں عنبر گان برگشتہ نمودار	کفِ دستِ دعا ہے بہر بیمار	کنار چشم دنبالہ کھنچا ہے	لب آہو
منور شب دو در رخسار دلخواہ	بشکل آفتاب و جلوہ ماہ	کہوں کیا سرخی یاقوت لب کی	خیالِ بوسہ
زباں کو شکوہ قید سخن ہے	نگہبان خال ہے دندان و دہن ہے	صفائے در دنداں سے سراسر	زباں ہے
اگر دیکھے گلو سے جلوہ افگن	جھلکتے ہر صراحی اپنی گردن	یہاں تک ہے نزاکت آفریں شوق	گراں ہے

لکھوں گر وصفِ دستِ سرخِ حنا	قلم رنگیں ہو مثلِ شاخِ مرجاں	دو پستاں یا حبابِ بحرِ ہستی	شکم یا موجزن طوفانِ ہستی
نہیں ہے نافۂ ہنگامِ تماشا	نظر آتا ہے عکسِ چشمِ بینا	خیالِ نازکی سے پیچ کھایا	کمر تک سایۂ گیسو نہ آیا

حنا کچھ پاؤں پر ایسی ہے زیبا   او سے حب ہو تو موتی لگی کچھ

لیجیئے زمانۂ کہولت بھی ختم ہوا۔ اب اوس شاعری کے عنوان بیان کو ملاحظہ فرمائی جو عمر کے لحاظ سے صد سالہ ہے۔ چاہئے تعجب کہ اسوقت بھی آپ کا دل و دماغ وہ ہے جو اس عمر میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوگا جب فرمانروائے رامپور نواب حامد علی خاں بہادر سفرِ انگلینڈ سے واپس آئے تو پھر اپنی طبیعت کا زور دکھلایا۔ یا تو وہ واجد علیشاہ کے نام کا قصیدہ تھا یا یہ نواب صاحب بہادر کے نام لکھا ہی گو وہ تسلیم نہیں رہے ہیں مگر کلام کا فروغ وہی ہے۔

قصیدہ

ہوا بیدار خوابِ ناز سے جب خسروِ خاور ؛ اوٹھایا چاندنی نے فرشِ روئے خاک بستر سے
عروسِ صبح نے کچھ کچھ دکھائی جلوہ فرمائی ؛ بنا اک قرص کافوری مہِ پُرنور گردوں پر
شب افروزی سے پائی ثابت و سیار نے رخصت ؛ فلک پر چھا گئے صورت شمعِ سحر اختر
بدل دیں صورتیں گلزار کی عکسِ شعاعی نے ؛ بنے شبنم کے قطرے روئے گل پر ریزۂ اختر
پھرے سوئے ریاست بمبئی سے یوں شہ والا ؛ کہ جیسے غرب سے مشتاق مشرق خسروِ خاور
فریدوں مرتبہ حامد علی خاں صاحبِ شوکت ؛ کہ جسکا نقشِ پا ہے تاجِ فرقِ سنجر و قیصر
بلندی پر جو آئے خاک اوسکے اسپ چالاکی ؛ بنائے آسمانِ پیر کحلِ دیدۂ اختر
جو ذکر آئے مزاجِ شاہ والا کی لطافت کا ؛ دہن میں ہر زباں بن جائے موجِ چشمۂ کوثر
فراست کار پردازِ ریاست عین حکمت ہے ؛ سیاست پھر وغلِ فتنہ فرش سدِّ اسکندر
نہیں ہیں نام کے بدکار ہی بخبر ہیں سے بے غم ؛ چھپا بیٹھی ہیں معشوقوں کی ہے دل و خنجر

طرزِ غزل در زمانۂ پیر جوانی

شمع کے مانند ہمکو سر اونچا رہنے کے لئے ؛ الٰہی بخشی خدا نے ہمکو مرجانے کے بعد
چاہیئے انسان کو عزت حفظ آبرو ؛ پھر گھر رہتا نہیں آب گہر جانے کے بعد

کیا کہوں کیا حال ہوتا ہے تمہارے ہجر میں ؛ ہوش تک آتا نہیں دو دو پہر جانے کے بعد
بحر ہستی میں کریں کیا فکر عقبیٰ زیر مزار ؛ پھر علم کشتی نہیں کچھ پار اوتر جانے کے بعد
ہم جلوہ کا ہوں تمہاں چشم کہ ہیں اہل نظر ؛ پھر نہ آؤنگا کبھی مثل شرر جانے کے بعد
اب تو اے تسلیم ہیں اہل ہنر پہلے ہوئے
یاد فرمائینگے کیا کیا مجکو مر جانے کے بعد

ولہ

ستانا خونیں دلونکو ظالم کہ اپنے ہاتھوں مٹائینگے ہم ؛ ہزار ہا برگ حنا جیسا تو اور بھی رنگ لائینگے ہم
جہاں میں جوہر ہے ذات اپنی غرض نہیں حسن عارضی سے ؛ ہمیشہ طوفان آب دیدہ میں گہر کی صورت نہائینگے ہم
جگر سے لب تک بھرے ہوئے ہیں ہزار رنگ فصاحت ؛ جو ہمکو پھر بیٹھا بے تکلف چشم کچھ کہہ سنائیں گے ہم
صبا کا چلنا گلوں کا ہنسنا یہ رنگ سارے ہیں دم کے مہماں ؛ نظر کے پھرتے ہی اس چمن میں ہوا بھی انکی نہ پائینگے ہم

پائے مومن ابتک بہ عالم فیض ہے۔ فرماتے ہیں۔ تسلیم

وہ کہہ رہے ہیں کہ ہوش آتے تو انکے بالیں گھر کو جائیں ؛ یہی ارادہ اگر ہے انکا تو آپ ہی میں نہ آئینگے ہم
خدا لیے جا یا تو اب کسی دن بجائینگے سو سے دیر لیکن ؛ تمونکے سر کی قسم نہ واعظ تمہارے کہنے سے کہائینگے ہم
غلط ہے تسلیم اونکا دعویٰ جو کہتے ہیں وہ سخن نے اپنے
کرا آتا کیا آگئے برسوں فن سخن میں بتائینگے ہم

اس مقطع کی ترکیب پر مجکو مکرمی جناب مولوی محمد حسن صاحب فائز بنارسی یاد آگئے جو اس زمانہ میں بڑے نازک خیال اور باریک بین وکہن سال ہیں کہتے تھے کہ میں اوستاد تسلیم کے عنوان بیان کا دلدادہ ہوں اس زمانہ میں یہ باتیں کسی کو نہیں ہیں بیٹی متالی دلی کا یہ قدیم رنگ کس کو نصیب ہے۔

رباعیات تسلیم کا رنگ بھی نہایت چیدہ ہے۔ فرماتے ہیں

روز نامہ محشر میں پیارا ہوگا ؛ محشر میں شفاعت کا سہارا ہوگا
اللہ بھی اعزاز کرے گا تسلیم ؛ ہر اشک [illegible] کا تارا ہوگا

دیگر

تسلیم غم حوصلہ فرسا کہیئے ⁂ یا روز تمنا کی تمنا ہے کہیئے
سر پر ہے اجل دم ہے لبوں پر آیا ⁂ اس کشمکش نزع میں کیا کیا کہیئے

یہ تو اردو کلام ہوا ضمناً فارسی کلام نمونہ بھی ناظرین کے ملاحظہ کو پیش کرتا ہوں۔ خدا سنجر طہرانی مقیم رامپور کو سلامت رکھے وہی ایک شخص ہندوستان میں اس طرز بیان کا سمجھنے والا ہے۔ افسوس میری ملاقات کو ایک مدت ہو گئی ابکے وہ گیا میں آئے بھی تو میں بستر علالت پر تھا۔ رباعی فارسی از تسلیم کہ بعد صد سال نوشتہ شد۔

از علم خدا گشت محرم پیدا ⁂ کونین ز کن کرد بیکدم پیدا
بر غلبت وہم وسعت قدرت نازم ⁂ کردست بیک لفظ دو عالم پیدا

اب میں استاد تسلیم کی شاعری کو رخصت کر کے انکے تصانیف کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

تصانیف تسلیم

دیوان اول غدر میں تلف ہوا۔ کلیات تسلیم عرف دیوان نظم ارجمند۔ دیوان نظم دلفروز۔ دیوان دفتر خیال (یہ آخری دیوان استاد تسلیم کا رامپور میں طبع ہوا ہے اس میں آپ کی تصویر بھی ہے۔ صاحب مطبع نے بغیر غلطنامہ شائع کر دیا ہے۔) مثنوی نالہ تسلیم۔ مثنوی شام غریباں۔ مثنوی صبح خنداں۔ مثنوی دل وجان۔ مثنوی نغمہ بلبل۔ مثنوی شوکت شاہجہانی۔ سفرنامہ منظوم نواب صاحب والی رامپور کے سفر انگلستان کا حال ہے جلد دوم بیس ہزار پانسو اشعار تک انہیں داخل کیئے گئے۔ تاریخ بدیع۔ مکمل تاریخ رامپور کی چھپتر جزو میں مطبوع ہوئی اسمیں بصورت توضیح چار عنصر تسلیم کو شامل کیا ہے داخل کتبخانہ سرکار رامپور کے علاوہ انکے متعدد مثنویاں کہہ کہہ کر صاحبان فرمایش کے حوالے کیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا بھوپال کے ایک رئیس کے لیئے کہ زیر عتاب بیگم صاحبہ ہو کر رامپور آئے تھے

سات سو ۰۰۷ شعروں کی ایک مثنوی تشریح حقوق میں اون کیلیے لکھکر
اون کے نذر کی - وغیرہ

جناب تسلیم کی زندگی کی آخری بہار

حضرت تسلیم کا شمار ۱۲۸۳ھ میں بہ زمانہ نواب مشتاق علی خان صاحب اور
جنرل اعظم الدین خاں پنشن خواران ریاست میں ہوا تفصیل دفتر رقم گھٹتی گھٹتی
رہی - ابتدا میں دو روپیہ کرایہ کا مکان لیکر محلہ گویہ تالاب رامپور میں دوسری
بی بی کے ساتھ بسر کرتے تھے - اسکے بعد جب یہ مر گئیں تو تقریباً چوبیس سال
اپنے شاگردوں اور دوستوں میں بسر کی - ایک مرتبہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر قریب
مرگ ہو گئے تو جناب بشیر احمد صاحب وفا اوٹھا کر اپنے پاس لے آئے - دو پہر
باوجود انکار کچھ نقد دیکر بسر کرتے رہے - اسکے بعد آپکے لائق شاگرد جو آپ
انکی جگہ پر ناظر ہیں جناب محمد یار خانصاحب اپنے پاس اٹھا کر لے آئے - ناظر
[illegible] سال تہا
یاور تخلص کرتے تھے پہر ناظر صاحب بہی خوشنویس ہیں انکے استاد گزر گئے
اور یہ جگہ نظارت کی جو محمد کلب علی خاں ہیں اوستاد تسلیم کو ملی تھی انکو مل گئی
یہ صاحب نہایت شریف النفس اور صاحب سخاوت ہیں جنہوں نے بجہہ ندامت
انکو بہی پانچ روپیہ ماہوار اوستاد تسلیم سے لینا پڑا پہر یہ وقت گذر گیا جب سفرنامہ
منظوم معہ قصیدہ دو مدحی و چار تہنیت تسلیم و تکبیر ۵ اوستاد تسلیم نے جناب نواب حامد علی خاں
صاحب بہادر کے حضور میں بذریعہ پرائیویٹ سکرٹری بہادر پیش کیا اور چرچا شعر و
سخن کا رامپور میں ہوا تو سرکار نے آپکی پنشن چالیس روپیہ ماہوار مقرر کر دی
اب جناب تسلیم ناظر صاحب کے مکان میں رہکر نہایت عافیت سے اوقات بسر کرتے
ہیں تین روپیہ ماہوار کی الگ ایک ماما نوکر ہے حسب فرمائش وہ کہانا پکا کر پیش
کیا کرتی ہے - بارہ پندرہ روپیہ ماہوار بیٹے صاحبزادہ تجمل حسین صاحب کو بہیجتے
جاتے ہیں - لکہنؤ کا گہر ناظر صاحب کی محبت میں چہوڑ کر انہیں کو اولاد سمجھ لیا ہے اور

آخری زمانہ اپنا یادِ خدا میں بسر فرما رہے ہیں - اصلاح تلامذہ اور شعر گوئی اگر گویا بند ہے
کسی کسی کی خدمت سے ہوں - ہاں کر دیتے ہیں اور بس -

مشاعروں کی یاد

عہدِ ناسخ سے اس وقت تک خدا جانے کتنے مشاعرے آپ نے دیکھے
خود کہتے ہیں ؎

شمع انگریزی مضمون کی بدولت تسلیم ... بارہا مجمع بزم شعرا دیکھ چکے

مگر رامپور کا ابتدائی مشاعرہ اچھے سے اچھے کے لیئے وہی تھا جو شہزادہ حیا مرحوم کی موجودگی
میں منعقد ہوا ۔۔ اور چند سال کے اندر بیرونجات کے مشاعروں میں
علیگڈھ کا مشاعرہ جس میں دہلی کے آخری شاعر مرزا مجروح بھی تھے ایک یادگار
مشاعرہ ہوا - فرماتے تھے کہ مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی خدمت سے میں اس
مشاعرہ میں شریک ہوا - اس مشاعرہ میں نئی روشنی والوں کی یہ نئی قدردانی
نہیں بھولتی کہ بعوض واہ کے یاروں نے تالیاں ہی بجائیں تھیں - وائے ایشیائی
شاعری - تیرا جنازہ یاروں نے انگریزی لباس پہنا کر اٹھایا - فرماتے ہیں کہ
اس کے بعد میں نے کسی کمیٹی کی یا اور کسی مشاعرہ کی شرکت نہ کی ۔۔ اور فرمایا کرتے تسلیم

ستائے جاتے ہیں اردو کو انگریزی [illegible] والے ؍ خرابی اسکی قسمت میں خدا جانے کہاں تک ہے

پھر مرزا مجروح ظہیر - مرزا جعفر اوج وغیرہ کو مدنظر رکھ کر ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ ؎

غنیمت جان اے تسلیم دو ایک ہمسے بوڑھوں کو + کہ یہ حسن سخن بنگ بیان اپنی بنا تک ہے

اسی زمانہ میں دوستانِ تسلیم کی ایک تحریر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ حسرت موہانی ہمارے
پاس آئے اور از راہ دلسوزی چاہا کہ اپنے پاس اٹھا لے جائیں مگر ؎

آسمان کی کیا طاقت جو چھڑائے لکھنؤ [illegible] لکھنؤ مجھ پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

چلیئے یہ باتیں بھی خواب و خیال ہو گئیں اور حسرت صاحب کی یہ تحریک آخر بھی
یادگار زمانہ ہو کر رہ گئی - مجروح بھی چل بسے - غالب کا نام مٹ چکا - مومن کی یاد
آخر کی صورت چراغِ سحری کی رہ گئی ہے -

تلامذہ تسلیم

اس بحث کے چھیڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لیئے کہ میں جناب تسلیم کا ایک کفش بردار قدیم ہوں میں نے اپنی تمامی عمر میں اوستاد تسلیم سے کسی کو اپنا شاگرد کہتے نہ سنا نہ باوجود دریافت آپ نے کچھ فرمایا البتہ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کے طبع کے وقت میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اپنا شاگرد کسکو بتلاؤں البتہ اکثر شاعران نو وکہن کا دلال ہوں۔ یہاں (یعنی رامپور میں) چار مشاعرہ ماہوار ہوتے ہیں اس سبب سے اکثر مبتدیوں کے ساتھ دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ ناظرین منصف مزاج اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس تحریر و تقریر کے آگے میں اس معاملہ میں کیا لکھ سکتا ہوں مگر فرائض حیات نویسی میں ایک بات رہ جائیگی اس لیئے قدیم گرامی ناموں کو نکال کر جو کچھ پتا کسی کسی کا ملا اونکے نام نامی درج کر دیتا ہوں۔ کہ لوگوں کو شکایت نہ رہے (قبل ترتیب اس کتاب کے بھی میں نے رسالہ اردوی معلے علیگڑھ میں اعلان کر دیا تھا کہ تلامذہ تسلیم اور احباب تسلیم اس کتاب کی تکمیل میں ہماری مدد کریں مگر اون کے کسی بیرونی شاگرد نے جنکا نام اور ذریعوں سے بھی نہیں معلوم ہوا کچھ اپنا حال نہیں لکھا نہ کلام اپنا بھیجا کہ مناسب رائے زنی کا موقع ملتا)۔

جن اصحاب کا پتہ ملا ہے وہ یہ ہیں۔۔ نوروز علیخاں شیدا۔ لکھنو کے رہنے والے بہت خوش فکر اور طباع تھے۔ نظم و نثر دونوں میں یکساں تھا۔ منیر شکوہ آبادی کے زمانہ میں معزز طبقہ کے شعرا میں اونکا شمار ہوا یہانتک کہ اونکے دیوان پر تقریظ بھی لکھی۔ یہ وہ وقت ہے جب اسیر مرحوم بھی زندہ تھے۔ اوستاد تسلیم فرماتے ہیں کہ صاحب دیوان تھا۔ اچھا کہتا تھا۔ کوئی شعر اوسکا بوجہ بدحواسی یاد نہیں۔ ان کے انتقال کو بھی بہت مدت ہوگئی۔ جن دنوں طوطی ہند اور اودھ پنچ میں مخالفت تھی یہ طوطی کا ہمزبان تھا۔ بہت نظم و نثر لکھی۔ اور چاہا کہ مجھے بھی اوس میں شریک کریں میں نے ان چیزوں کی اصلاح سے بایں سبب قطعی انکار کیا کہ مفتی سجاد حسین

ایڈیٹر اودھ پنچ کی اور ہماری ملاقات تھی - یہ بات وضعداری کے خلاف ہوئی -
سنہ ۱۲۹۹ہجری تک اونکی زندگانی کا پتہ لگتا ہے پھر خبر نہیں کب اور کس وقت اور کہاں
انتقال کیا - وائے گمنامی - دیوان غیر مطبوع تلف ہو گیا - یہ تلامذہ اولین میں بہت
ممتاز تھے -

(یہ وہ ضعیف العمر شیدا نہیں ہیں جو اطراف صوبہ بہار میں پیسوں کے جو
اور نسیم دہلوی کی غزل کی چوری کے سبب سے اخبار الپنچ بانکی پور وغیرہ میں بہت
بدنام رہے کیسی ہجوگوئی کے سبب سے پٹتے بھی ہوئے دیکھے ہیں - میں نے اونکو ساٹھہ
ستر برس کی عمر میں دیکھا تھا خبر نہیں مر گئے یا کہیں چلے گئے)

علامہ مولوی ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی - عالم اور طبیب تھے - نیمی مضافات
عظیم آباد کے رہنے والے [illegible] کی انلی پٹنہ میں طبابت کرتے تھے - شریف
خاندان مگر غریب اسیر تھے پہلے معمولی کتابیں پٹنہ میں پڑہیں - مولانا محمد سعید صاحب حسرت
عظیم آبادی کے بھی شاگرد رہے پھر غازیپور میں بمدرسہ چشمہ رحمت میں
تحصیل علم عربی کی تکمیل علامہ مولانا عبدالاحد صاحب استاد فرنگی محلی لکھنوی
مدظلہ العالی سے کی - فن شعر کے نکات بھی اول اول انہیں سے معلوم ہوئے
غزلوں پر اصلاح بھی لی پھر تکمیل طب کے لئے لکھنو گئے اس فن کو بدرجہ اعلے یہاں
حاصل کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ خورشید مولف اغاث زندہ تھے - چنانچہ اوقات میں انکا
ذکر ہے - لکھنو کے نامی شاعر محمد جان شاد یادگار رشک کے ہمراہ مشاعروں میں عزت
پائی - اور سلسلہ اصلاح سخن استاد تسلیم سے بھی جاری کیا - مثنوی نغمہ راز پر جناب
تسلیم سے اصلاح لی - ولی کے رنگ کی چاشنی انکو یہیں نصیب ہوئی - عہد
کلب علیخانی میں رامپور گئے اور رسالہ اصلاح کہ مجموعہ نکات سخن ہے معہ
قصیدہ بوساطت استاد تسلیم نذر گزرانا مناسب قدردانی کی گئی دربار نگرو
کو بھی دیکھا تھا - عہد داغ و امیر کچھ چند سے رامپور میں قیام رکھا اور بوجہ کمال
علم و تحقیقات بہت ممتاز ہوئے - مرحوم حکیم ضامن علی جلال کی سرمایۂ زبان

اردو کی بذریعہ رسالہ سرمۂ تحقیق وغیرہ قلعی کھول دی پنچ اخبارات
میں بڑی دھوم ہوئی۔ پھر مولوی فضل حق آزاد عظیم آبادی سے عرصہ
تک تحقیقات فن میں جھگڑا رہا۔ گیا پنچ اور اپنچ میں مضامین چھپتے تھے
صاحب دیوان و مصنف کتب و رجب التوقیر ہیں۔ علم دین کے بھی بڑے محقق
تھے مولانا فضل الرحمن قدس سرہ گنج مرادآبادی سے بیعت حاصل تھی۔ دم
مرگ ایک کتاب حدیث میں لکھ رہے تھے ناتمام رہ گئی خبر نہیں انکا دیوان
اور کتب خانہ کیا ہوا انکے ایک شاگرد کہتے تھے کہ انکے ایک بھائی
صاحب علم ہیں وہ عنقریب دیوان طبع کرائینگے۔ شہزادہ بشیر دہلوی
انکے صاحب دیوان شاگرد ہیں۔ ایک شاگرد انکا ضیا تخلص تھا
نوجوان و خوشگو تھا گیا میں اکثر آیا اور خاکسار کے مشاعروں کی شرکت
کی کمیٹی نے اوس مشاعرہ میں بھی شریک تھا جس میں جلال کے طرف کے
اون کے بیٹے کمال شریک تھے۔ فغان کے لیئے۔ زبان کے لیے طرح
تھی ایک شعر بہت ہی پرسوز پڑھا تھا ضیا نے

پکارتی ہے سر شام دل کی ویرانی ؏ چراغ دے کوئی اُجڑے ہوئے مکان کیلیے

لوگوں نے بہت داد دی۔ افسوس کہ یہ لڑکا علم و فن کے لحاظ سے
کورا تھا صرف طبیعت کی روانی نے ممتاز کر دیا تھا ایک رنڈی کے
عشق میں دیوانہ ہو کر بیٹھ گیا وہاں عین شباب میں ہیضہ کی بیماری
سے مر گیا مرحوم شوق کی سرپرستی سے اوسکا دیوان چھپ گیا ہے۔
شوق ابتدا میں منیر کے رنگ کے شعر کہا کرتے تھے۔ پھر داغ کا
رنگ پسند کر لیا تھا داغ انکے رنگ پر خود شیفتہ تھے ان کے اس
شعر پر رامپور میں داغ بہت بیچین ہوئے تھے۔

دامن بھی جلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ ؏ اے شوق لے ہی ہوش میں آنا نہیں چاہا

گیا میں بھی ایک مشاعرہ میں آئے تھے یہ طرح تھی۔ دیوار میں ہے بیمار میں ہے

اس میں شاہ محمد اکبر صاحب ابوالعلائی۔ اور شمس العلما اثر وغیرہ بھی تھے
یہی مشاعرہ میری انکی ملاقات کا باعث ہوا۔ اور خدا مغفرت کرے شاہ
محمد اکبر صاحب نے ملایا تھا۔ بعد تلمذ تسلیم ہی حضرت شمشاد کے بہ معتقد تھے
جیسا کہ خود لکھتے ہیں۔ (تحسین نامہ شوق) معظمی و مکرمی تسلیم۔ مجکو شاگردی
کا فخر جناب شمشاد کی بھی حاصل ہے حضرت شمشاد اہل زبان ہونے کے
علاوہ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے ہیں۔ شاعری کی تکمیل انہیں
دو باتوں پر ہے اول اہل علم ہونا دوسرے اہل زبان ہونا۔ دونوں باتیں جناب
شمشاد میں موجود ہیں۔ فقط

شوق نیموی کان اللہ۔ از شہر پٹنہ شاہ کی املی۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ مطابق

استاد تسلیم کو انکی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ یہ با توقیر تلامذہ میں تھے۔ انکی نسبت
مثنوی نغمہ راز میں استاد تسلیم اپنے خیالات یوں ظاہر کرتے ہیں۔

بارک اللہ اے ظہیر احسن — مجمع علم و ماہر ہر فن
مثنوی لکھی کیا نئی تم نے — ساحری شاعری میں کی تم نے
وہ فصاحت زبان میں کہیں — وہ بلاغت بیان میں کہیں
دل ہی جسکا مزا اٹھاتا ہے — شور تحسین لبوں تک آتا ہے
اوج بخشا کمال کو کیا کیا — دی بلندی خیال کو کیا کیا
سیر نے اک مزا دیا دل کو — نقش حیرت بنا دیا دل کو

پھر تاریخ کلک کی ہے یہ سیئے
واہ کیا دلپسند نغمہ ہے

استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ مولوی ظہیر احسن عالم آدمی ہو کر اگر اپنے کو میرا
شاگرد کہتے ہیں تو انکی شرافت ہی۔ افسوس چند سال ہوئے اسہال
کبدی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر پٹنہ میں و بروایت دیگر موضع نیمی اپنے وطن
میں جا کر انتقال کیا۔ اور ملک میں انکی موت بہ اعتبار اس کمال کے

نہایت گمنامی کے ساتھ ہوئی - استاد تسلیم کا شاگرد ان سے اچھا اسوقت موجود نہیں ہے یہی وہ لوگ تھے جو اگر دہلوے جانشینی کرتے تو زیبا تھا - اب انکا کوئی شاگرد بھی قابل تذکرہ باقی نہیں نہ کوئی اولاد ہے - شوق نے تقریباً چالیس سال کی عمر کے اندر انتقال کیا -

زندہ جو کل تھے آج انہیں کا فسانہ ہے ؎ کس کس کو رو دیجئے یہی رنگ زمانہ ہے

ان کے تلامذہ میں مرحوم ضیا جسکا ذکر اوپر آیا اوس سے ہمعصری کا خیال ہمارے نوجوان دوست ذوالفقار علی عرف صوبہ آہ تخلص کو بھی تھا مگر یہ لڑکا مطابق ضرورت علم رکھتا تھا اور بڑے بڑوں کی صحبت اٹھائی تھی آخر شراب خواری کے ہاتھوں مٹ گیا - امام باڑہ گیا میں مدفون ہے اوسکا یہ شعر حشر تک نہ بھولیگا - نہ شاید اس سے اچھا مطلع اس زمین میں ہوسکتا ہے یہ گیا کے مشہور شاعر حشر مرحوم کا شاگرد تھا وہ مطلع یہ ہے آہ

شعلہ غم یوں بھڑکتا ہے دل مایوس میں ؎ جھلملائے شمع کی لو جسطرح فانوس میں

اپنے استاد کا بھی ایک ایسا شاگرد تھا جس نے مرکر اپنے استاد کے نام کو بھی اونکی موت کے بعد مٹا ڈالا - یہ سب خاکسار کے مشاعروں میں جمع ہوا کرتے تھے - خدا جانے میں نے اس عمر میں ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھا - اسکے مرنے کی تاریخ میں نے (آہ بہار آخر شدم) لکھی -

مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی - اے - ایڈیٹر اردوئے معلی

آپ موہان کے شرفا میں نہایت ذی علم اور صاحب فن ہیں - ہندوستان کا مشہور رسالہ اردوئے معلی انکی ایڈیٹری میں نکلتا ہے زبان کے لحاظ سے موجودہ رسالوں میں اسکا پایہ بہت بلند ہے - قلم کی جولانی میں ایک مضمون گورنمنٹ کے خلاف چھپا جو سبب انکی سزائے قید کا ہوا - علمی و اخلاقی مشغلہ حکام کی نظر بچا کر جیلخانہ میں بھی جاری رکھا اور مصائب سخت

کی حالت میں ایک دیوان بھی مرتب کر ڈالا۔ ایک عرصہ کی پریشانی کے
بعد پنجۂ قید سے چھوٹے اس درمیان میں اُردوئے معلّٰی بھی بند رہا اور دوا حسب القدر
کتب خانہ بھی برباد ہوا۔ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں باوجود بی۔ اے
ہونے کے بھی ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ جس نے اپنی ذات کو برخلاف
دنیا حاصل کرنے کے قومی خدمت کے لیئے وقف کیا ہے اور بالخصوص رودِ
انشا پردازی اور ایشیائی شاعری کی ترقی پر جان و دل سے فدا ہے۔

حیاتِ تسلیم مطبوعہ لاہور میں جو انکا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اسکا سبب یہ تھا کہ یہ مخفی
تلامذۂ استاد تسلیم میں سے تھے انکا کوئی ذکر جناب تسلیم نے نہیں کیا تھا۔
بعد طبع حیاتِ تسلیم جب میں نے استاد تسلیم سے انکی بابت پوچھا تو فرمایا کہ
مجھے یاد نہیں کہ حسرت نے مجھ سے کب اور کہاں اصلاح لی میرے حواس
بجا نہیں کہ کچھ خیال کروں۔ مگر بعد چندے جناب حسرت نے رامپور کا سفر
کیا تو استاد تسلیم نے مجھے لکھا کہ حسرت میرے پاس آئے تھے اور اپنے کو
پہچنوایا اور از راہ دلسوزی بہت اصرار کیا کہ وہ آخر ہر طرح کی عافیت
دینے کو میں تیار ہوں آپ یہاں ناحق تکلیف میں ہیں ہمارے ساتھ چلیئے مگر
میں نہ گیا۔ ایک اور گرامی نامہ تسلیم سے انکی اصلاح کا پتہ ملتا ہے۔

(گرامی نامہ تسلیم) محبت من میں علیل ہوں پندرہ روز ہوئے گر پڑا تھا
ہاتھ اکھڑ گیا اب بفضلہ تعالےٰ درست ہو گیا ہے ورم باقی ہے اور درد بھی
ہے دعاءِ خیر فرمایئے بہت کمزور ہو گیا ہوں حسرت موہانی کی کوئی غزل دہر
میرے پاس نہیں آئی پہلے برابر اتفاق ہوتا تھا اونکی قید کی حالت کو سنکر
بڑا صدمہ ہوا۔ آزاد مصنف آبحیات کی موت کا بھی افسوس ہے۔ میرا دیوان
سوم چھپ چکا ہے ابھی شیرازہ بندی نہیں ہوئی علاوہ اسکے کاتب نے
غلطی بہت کی ہے اوسکا غلطنامہ مرتب ہو جائے تو ایک جلد تمہارے پاس
روانہ کی جائے گی۔ تمہاری تاریخیں بھی اندراج کو صاحب مطبع کے حوالہ

کر دی گئیں ہیں خاطر جمع رکھو۔

راقم محمد امیر اللہ تسلیم لکھنوی

موجودہ تلامذۂ تسلیم میں حسرت کا پایہ سب میں بلند ہے قابلیت۔ صحت زبان۔ تحقیقات فن۔ رنگ خاندان سب حاصل ہے۔ میں مسئلہ جانشینی اور سجادہ نشینی وغیرہ کے بالکل خلاف ہوں۔ اگر میں اس مسئلہ کا قائل ہو جاؤں تو استاد تسلیم کی جانشینی کا خطاب حسرت کی نذر کر دوں۔ ہرچند کہ حسرت نے رنگ تسلیم کی تقلید نہیں کی ہے مگر لاریب اس شخص نے مومن کے رنگ کی ایسی تقلید کی کہ تعریف نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے یہ چراغ خاندان مومن و نسیم اور شاگرد رشید تسلیم ہیں۔

اس زمانہ انگریزیت میں کہ اسکول گروہ نے نیچرل شاعری کا جھنڈا بہت بلند کر رکھا ہے۔ واقفیت فن صرف چند ہی افراد کو ہو تو ہو عوام کا یہ پایہ نہیں کہ وہ حسرت کا سہل ممتنع کلام سمجھ سکیں اسلیے انکی وہ قدر دانی جسکے یہ مستحق ہیں نہیں ہوئی صرف وہی حضرات صاحب بصیرت حسرت کے بے مثل کلام کو سمجھ سکتے ہیں جنکے دل و دماغ میں غالب و مومن کی شاعری بسی ہوئی ہے۔ بہرحال حسرت صاحب کو یہ سمجھکر نظم نہ کرنا چاہیے کہ

ہے دعا تسلیم اپنی عالم العلام سے
میرا دیوان آشنا کو دیدۂ جاہل نہو

افسوس حسرت کی شاعری کا آفتاب اوسوقت چمکا ہے جب استاد تسلیم کے آنکھوں کی روشنی یکگونہ زائل ہو چکی ورنہ اس زمانہ میں حسرت ہی ایک ایسے شاگرد اونکے ہوتے جنکو اون کے بیشتر تلامذہ کا کلام بغرض اصلاح دیا جاتا۔

حسرت کا دیوان بالکل مکمل ہے اور اوسکا جزو اعظم اردوئے معلی میں مطبوع ہو چکا ہے۔ تالیفات حسرت میں شرح دیوان غالب بھی ایک معقول کتاب ہے۔ قدیم شعرا و اساتذہ کے اکثر دواوین کا انتخاب کر

دوبارہ اونکو زندہ کرنا حسرت کا معمولی کام ہے۔

حسرت کی پرائیویٹ حالات کی اطلاع مجھکو بالکل نہیں ہوئی اس لیئے کہ وہ بوجہ وارستہ مزاجی کسیکو باوجود دریافت بھی کچھہ لکھنا نہیں چاہتے۔ اکثر انکی سوانح نگاروں نے ایک نوجوان۔ اور چلبلی طبیعت کا آدمی لکھا ہے۔ مگر کلام پر غایت پیرانہ سالی برستی ہے۔

انکے کلام کا اندازہ ان اشعار سے ممکن ہے۔ ہندوستان کے تمام گوشے کے شعرا اگر جمع کیئے جائیں تو شاید دو چار اس طرز کے کہنے والے نکلیں۔ اس شخص کو اگر چراغ مزار مومن کہئے تو زیبا ہے۔

کلام حسرت

ہے ایک دربیر مغاں تک تو رسائی ؛ ہم بادہ پرستونکا کہاں اور ٹھکانا

طعن احباب سہے سرزنش خلق سہے ... ہمنے کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہ کیا

انکی الفت کا یقیں ہو انکے آنیکی امید ... ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہار انتظار

فرقت ساقی میں ہم حسرت کتنا بادہ سے .. ملکے رد یا خوب ابر نوبہار ابکے برس

مرے اصرار مضطر میں نہاں تھی مری مایوسی .. ترے اقرار آسماں سے ترا انکار پیدا ہے

دل ہی ارباب فنا کا ہے بہلانا مشکل .. ہمنے یہ اونکے تغافل کو سنا رکھا ہے

تمنے بال اپنے جو پھولونمیں بسا رکھے ہیں .. شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے

کہتے ہیں اہل جہاں درد محبت جسکو .. نام اسیکا اول مضطر نے دوا رکھا ہے

حسرت کے اوس رنگ کے اشعار قلم انداز کرتا ہوں جنکو اون کے حاسد تاویلات میں داخل کرتے ہیں۔ اور بوجہ پیچیدگی بیان اون ترکیبوں کو غایت مذموم ٹھہراتے ہیں حسرت مجسم اخلاق نے اپنے غایت اخلاق کا ثبوت اوس مشاعرہ علی گڑہ کے ذریعہ سے دیا ہے جسمیں اوستاد تسلیم اور مرزا مجروح کو شریک کیا تھا ہندوستان کے اس آخری مشاعرہ کے بعد کوئی ایسا مشاعرہ نہیں ہوا جہاں غالب و مومن کے ایسے آخری یادگار ونکی

شرکت ہوئی ہو۔ وہ گروپ جو اس مشاعرہ کے متعلق لیا گیا تھا جسکو انجمن برق علمی جنتری نے بھی شائع کیا ہے حضرت ہی کی معرفت تیار ہوا اسطرح کو مرحوم میر مجروح کی آخر وقت میں زیارت ہوگئی۔

حاجی محمد اسمٰعیل خاں صابر رامپوری

رامپور کے باشندے ہیں انکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی جاگیر کی آمدنی ہے۔ تازہ شاگردان تسلیم میں یہ نہایت پرگو معلوم ہوتے ہیں۔ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کا زمانہ تو زیادہ گذرا دو تین سال کے اندر کا بھی کوئی گرامی نامہ تسلیم ایسا نظر افروز نہیں ہوا جس میں انکا ذکر ہو۔ یکایک ۱۹۱۶ء میں یہ نمایاں ہوئے اور اکثر جواب خط بعوض استاد کے انکے قلم سے بھی آئے۔ انکے مختلف خطوط سے یہ عبارت انتخاب کی ہے۔

(از خطوط بلبل تسلیم)

مخدومی مکرمی جناب بھائی عرش صاحب دام الطافکم۔ میرا دیوان مرتب ڈیڑھ سال سے قبلہ و کعبہ استاد صاحب کے پاس رکھا ہے ہنوز اصلاح کی نوبت نہیں آئی جب کسی قدر نظر کام کرتی تھی اسوقت ملاحظہ نہیں فرمایا اب ضعف بصارت کے عالم میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ صرف حضور پانچ چار غزل روزانہ سن لیا کریں اسکی بھی نوبت نہیں آئی حالانکہ شب و روز خدمت میں حاضر رہتا ہوں۔ صرف ایک مثنوی خون حسرت جو چھپ چکی ہے اول سے آخر تک دیکھی تھی (یہ مثنوی خاکسار کے پاس صبر صاحب نے بھیجی ہے کہ چھپ چکی ہے) اور ایک خمسہ نگارخانہ خسروی اصلاح سے مزین ہوا ہے یہ بھی چھپ چکا ہے۔ (یہ بھی اچھا ہے) دوسری مثنوی عشرت جسمیں حضور نواب والی رامپور کی سالگرہ کا حال اور میلے کی تعریف میں ہے اول سے آخر تک استاد نے دیکھی ہے عنقریب یہ انتخاب کرکے شائع ہونے والی ہے چھ مہینے سے جب کوئی غزل طرح شہر کے مشاعرہ کی ہوتی

سے عرض کرتا ہوں ایا بیرونجات کے گلدستوں کے واسطے کہتا ہوں صرف بہت کہنے سے سُن لیتے ہیں بے اصلاحی بے اطمینان درج گلدستہ ہوتی ہے۔ بہ سبب کمزوری و پیرانہ سالی اون کو مجبوری ہے اور اپنا متقاضی ہونا بے ادبی میں داخل ہے۔ اوستاد کے پاس اب جن حضرات کا کلام آتا ہے سب میری نظر سے گذرتا ہے میں ہی پڑھ کر سناتا ہوں۔ جو فرماتے ہیں بطور اصلاح کے طور پر لکھ دیتا ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب) کئی سال سے میں نے کوئی غزل حسرت موہانی کی نہیں دیکھی میں ہمیشہ اپنے جملہ اوستادبھائیوں کو باعث فخر جانتا ہوں اور آپ تو پرانے شاگرد ہیں میرے مخدوم و مکرم ہیں مجھکو آپ ایک ادنے نیاز مند تصور فرمائیں۔

راقم الحروف محمد اسمٰعیل خاں صبر۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۱ء

(از بلبل تسلیم)

مخدومی و مکرمی جناب منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش دام الطافکم تسلیم نیاز

آپ کا خط جناب اوستاد کے پاس پہونچا۔ میں نے پڑھ کر سنا دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں اب تندرست ہوں خاطر جمع رکھو۔ اپنے متعلق اونکی تحریر گرامی دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی کئی بار سر پر رکھی اور آنکھوں سے لگائی حسب الحکم غزلیں طرح بدایوں کی روانہ کرتا ہوں آپ کی دعا سے اوستاد کے صدقے میں ان پانچ غزلوں پر میری لیاقت سے زیادہ مجھے داد ملی۔ تمام حاضرین بزم سخن نے قدر افزائی فرمائی۔ بلکہ ساکنان بدایوں نے اس ناچیز کو انتخاب میں اول نمبر دیا اور تمام بدایوں کے شعراء نے اتفاق سے یہ کہا کہ یہ غزل اول نمبر کی ہے۔ اگر آپ کی رائے ہو تو ان اشعار پریشان سے چند شعر منتخب کر کے کسی اخبار میں درج کرا دیجئے۔

دیوان سوم تسلیم کی سوانح عمری میں جو دست اندازی صادق صاحب کی جانب سے آپ کے متعلق کی گئی ہے محض بے بنیاد ہے۔ وہ سوانح عمری

منشی نایاب خاں صادق نے اوستاد کو سنائی تھی اوستاد نے فرمایا تھا کہ یہ بھیجنے کی ضرورت نہیں (ظاہر ہے کہ حیات تسلیم سے یہ ضرورت پوری ہوچکی تھی) جب انہوں نے یہ کہا کہ میری خوشی ہے تو فرمایا کہ اچھا (یہ گویا لحاظ اس کا تھا کہ پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے یہ مصاحب ہیں) آپ اسکا علم نہ کہیں (وغیرہ وغیرہ)

صبر از رامپور

از بلبل تسلیم — قبلہ و کعبہ اوستاد تسلیم نے اس کمترین کو بلبل تسلیم کا خطاب مرحمت فرمایا ہے شاید کمال دہلوی کے پرچہ میں شائع ہو۔ لالہ پیارے لعل صاحب رونق دہلوی آئے تھے انہیں اوستاد نے فرمایا تھا کہ میں نے صبر کو بلبل تسلیم کا خطاب دیا ہے تم اوسکو پرچوں میں درج کردینا۔ آپ مرسلہ غزلیں اگر درج اخبار فرمائیں تو یہ بھی درج کرادیں۔

اس خطاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ صبر نے احسن مارہروی کے شعروں پر اعتراض شروع کیا ہرچند کہ وہ اعتراض بالکل صحیح تھے جسکو بذریعہ رسالہ اغلاط احسن انہوں نے ثابت کیا ہے مگر افسوس کہ بے تکے اور غیر مہذب فقرے نے اوسکی یہ قدر کی کہ بلبل تسلیم بھی انگشت نما ہوئے اور مرحوم آخر ملک الشعرا تسلیم کو بھی ندامت حاصل ہوئی۔ اگر صبر اپنے رنگ کلام پر قناعت کرتے تو ایک زمانہ میں وہ خود واجب التعظیم ہوجاتے۔ اور اہل بصیرت اونکی مناسب قدر کرتے مگر یہاں اونکی قدر دانی تو بالائے طاق الٹی رسوائی جناب تسلیم کو ہوئی اور شاگردان داغ نے آنکھوں میچی باندھ کر اعتراض کرنا شروع کیا جو صبر کے شاگرد کے برابر بھی نہ تھے۔ بیشک جدید تلامذہ تسلیم میں انکی طبیعت بہت ہی مضمون رس واقع ہوئی ہے اور کہیں کہیں تسلیم کے رنگ کی جھلک بھی موجود ہے۔ وہ اس پر آشوب زمانے کو آنکھیں کھول کر دیکھیں اور طریقۂ شعر گوئی کو عنوان مزاج اوستاد سے [illegible]

جانے نہ دیں۔
صبر صاحب کو مجھ سے کشش بہ دار قدیم خاص پاس سے تسلیم کا سمجھانا شاید کچھ گراں ہو تو اوسکو لِلّٰہ معاف فرمائیں اسلیئے کہ سوانح نگار کو دیانت دار ہونا چاہیئے۔ ہندوستان کے اکثر پرچے اس لاطائل بحث سے جو بھرے ہوئے نظر آتے ہیں تو مجھکو بحد صدمہ پہونچتا ہے کہ افسوس مانہ جسپر معترض ہے اوسکے نہ حواس ہی بجا ہیں نہ آنکھوں کی روشنی باقی ہے۔

کلام صبر یادگار مشاعرہ بدایوں

ہاں دکھا اسے چشم گریاں جوش طوفانی مجھے　　ابر گوہر بار سے پھیرنا پانی مجھے
دشت میں بھی منتظم ہے کیا کیسوئے ہول قید　　گھیرے رہتی ہے ہر اک جانب سے ویرانی مجھے
حشر تک کروٹ نہ بدلی دفن ہو کر قبر میں　　اسقدر حاصل ہوئی مرکر تن آسانی مجھے

شعر تو یہ کہا ہے سو واقعی اگر صبر کو تسلیم کی شاگردی حاصل نہ ہوتی تو حشر تک اون سے ایسا شعر نہیں ہو سکتا تھا۔

کیوں کرے تکلیف رکھ دوش کشا کر مری　　دامن کی اڑکے خود خاک بیابانی مجھے

صبر سچ پوچھو تو تسلیم سخنور کا ہے فیض
ورنہ کب ملتی ہے مہارت ہمہ فن دانی مجھے

تیر نظر سے عمر رواں مری کم نہیں　　وہ چال چلتی ہے کہ نشانِ قدم نہیں

واللہ واہ نہیں ہو سکتی۔ خدا انھیں سلامت رکھے متوش رہو آپا درہو۔ خدا جانے کس عالم میں یہ مطلع کہا۔ یہ البتہ ہمارے اوستاد کا رنگ ہے۔

کٹ جائے سر مرا مجھے کچھ اسکا غم نہیں　　مرنے کی بات یہ ہے کہ خنجر میں دم نہیں
تصویر میں ہی ہیں وہی بیٹھا ہے قلم بیاں　　کس بات کی کمی ہے مگر اسمیں دم نہیں
جتنا کہ شمع روئی ہے پروانے کیلئے　　ہمکو کسی کے مرنے کا اتنا بھی غم نہیں

جب دل ہی اپنا ناز و نکا پالا نہیں رہا
جاتی ہے جان جائے کچھ اسکا غم نہیں

منشی شبیر احمد وفا رامپوری - یہ اہل تلامذۂ تسلیم میں ہیں بعد خانہ ویرانی اوستاد تسلیم کے یہی وہ سعادتمند شاگرد ہیں جو اوستاد تسلیم کو اوسوقت اپنے گھر اوٹھا لے آئے تھے جب وہ ہیضہ میں مبتلا ہوکر قریب المرگ ہو چکے تھے عرصہ تک اپنے ساتھ رکھا اور خدمت کی - شعر بھی بہت خوب کہتے ہیں مگر اونکو کار دنیا سے مشق اور تکمیل فن کا موقع نہیں ملا - کوئی شعر انکا یاد نہیں اوستاد تسلیم نے اونکا ذکر اکثر کیا ہے - منشی اعزاز الدین اعزاز مہتمم گلدستہ حدیقہ حامدی رامپور دیرینہ تلامذۂ تسلیم سے ہیں - صحبت یافتہ اور اہل ہیں - جس زمانہ میں یہ گلدستہ جاری تھا میری اور انکی غزلیں ہمراہ اوستاد برابر چھپا کرتی تھیں - نعت گو ہیں اور اس ذریعہ سے خدا نے دونوں عالم میں اونکو ممتاز کیا ہے - فارغ البال ہیں -

کلام اعزاز متعلقہ نعت شریف

حسرت ہے الٰہی کہ دم نزع سراسر　　نقش قدم سید والا پہ دہن ہو
محشر میں شفاعت پہ یہ فرمائیگا خالق　　تم خلد کے مختار ہو جسکو چاہو
روز و شب کو جو حقیقت میں نشر و کہتے ہیں　　آپکے گیسو و رخ کا یہ اثر دیکھتے ہیں

ہمارے دیرینہ روشناس کا گلدستہ نظر امیر مینائی میں ہی ممتاز تھا اُس زمانہ میں داغ - و امیر سب رامپور میں موجود تھے اور اُن لوگوں کا کلام اسمیں اکثر چھپا کرتا تھا -

سید عطا کریم عطا - یہ خاص باشندۂ بہار شریف ہیں - عمر پینتیس سال کی ہوگی - آدمی ذی علم صاحب تمیز و صاحب فن ہیں اوستاد تسلیم نے انکی نسبت اپنے گرامی نامے میں یوں لکھا ہے - (گرامی نامہ تسلیم)

محبی و مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں کہ سب طرح خیریت ہے اور صحت و عافیت آپکی ایزد تعالے سے چاہتا ہوں آپ کا کارڈ جوابی آیا حال معلوم ہوا - دیوان آپکا دیکھا اور کچھ باقی ہے

انشاء اللہ اس ہفتہ میں دیکھ لونگا - مگر اوسکی روانگی میں تردد ہے کہ اکثر غزلیں دوسروں کو بھیجیں مگر اون کو نہیں پہونچیں شاید ڈاکخانہ کہا جاتا ہے ہیں غزلیں سید عطا کریم عطا کی بہار بھیجیں وہ نہیں پہونچیں شکایت آئی ہے اور رامپور کے نومشق لوگوں نے اور دیگر گلدستے والوں نے اسقدر مجھکو پریشان کیا کہ میں نے شعر شاعری قطعاً ترک کر دی ایک مصرع نہیں کہتا اور میرا ارادہ ہے کہ اس فن کا نام لوں اکثر دوست آشنا و اہل گلدستہ ناخوش ہو گئے (آپ شاگردوں کو بھی دوست ہی فرماتے ہیں) میں نے کچھ پروا نہ کی کہانتک زندگی تلخ کر دوں اب میرا زمانہ مرنے کا ہے یا ہرزہ خیالی کا

رقیمۃ الوداد محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۱۰ نومبر ١٩٠٧ء

سید صاحب شرفاء بہار میں ہیں مگر شاعری انکی بصورت مخفی ہے گیا میں ایک بار آئے تھے اور مجھسے بھی ملے تھے ایک عزیز انکے مولوی منظور امام صاحب نے انکی خاطر سے ایک مشاعرہ بنگلہ کے محلہ میں جو اسکے مضافات میں بصورت قریہ ہے کیا تھا اور مجھکو بھی بلایا تھا سید صاحب نے بڑی توقیر کی تھی اور مجھ خاکپائے استاد کی آبرو بڑہانے کو مقطع مشاعرہ کیا تھا اسمیں گیا کے تمامی چیدہ شعراء شریک تھے - اسکے بعد سید صاحب پھر چند بار آئے مگر مجھسے نہیں ملے نہ خبر دی عجب نہیں دیوان تیار ہو مگر غزلوں کو چھپاتا گیا جانتے ہیں طبیعت نہایت رنگین واقع ہے اور رنگ تسلیم اسمیں موجود ہے - صوبہ بہار میں اب بجز انکے کوئی اچھا شاگرد جناب تسلیم کا باقی نہیں ایک مطلع انکا مشہور ہے -

عطا بہاری سے

ہے فروزاں جو کنول لالۂ صحرائی کا ٭ عرس جنگل میں ہے شاید ترے سودائی کا

مولوی نظیر حسین فریاد - یہ صاحب بھی باشندگان بہار میں ہیں - نوجوان آدمی ہیں طبع رواں رکھتے ہیں ابتدا میں مولانا شوق نیموی شاگرد تسلیم کے شاگرد تھے پھر استاد تسلیم کے شاگرد ہوئے - علاوہ اوس مشاعرہ کے

جس میں عطا موجود تھے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا خاکسار کے ایک مشاعرہ میں وہی شریک ہوئے تھے - وداغ کے رنگ سے طبیعت انکی ملتی جلتی ہوئی ہے - استاد تسلیم نے اپنی ایک تحریر میں انکی اصلاح کا ذکر فرمایا تھا کوئی شعر یاد نہیں -

حسن افضل بدر بدایوں کے رہنے والے ہیں اپنے کو جناب تسلیم کا شاگرد کہتے ہیں

اس زمانہ میں اسی سبب سے تاریخوں کی قدر جاتی رہی کہ لوگ بے سیکھے بوجھے تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں - بعد آداب والقاب اور خطابات کو تو پوچھیے ہر وقت صاحبان مطبع کی طرف سے بٹا ہی کرتا ہے - استاد تسلیم کا دیوان دوم جب مطبع نامی میں مطبوع ہوا تو بدر صاحب کو شاگرد رشید رقم کیا اور مجھپر کاتب نے ایک عجیب عنایت کی - یوں تو صدہا غلطیاں کتابت دیوان میں موجود ہیں مگر ہماری تاریخ کی اصلاح میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی - عرش سے

کہی منقوط میں تاریخ ای عرش ٭ کہ زیبا آسمان نظم کلکش

اسکی مرمت یوں کی گئی ہے کہ -

کہی منقوطیں تاریخ ای عرش ٭ مُزیَّب آسمان نظم کلکش

مزیّب یعنی مزین جو کاتب مطبع ہذا نے قرار دیا ہے عقل کی سلامتی ہے اور مزیّب لغوی صورت میں جسقدر صحیح ہے وہ بھی اظہر من الشمس -

بدر صاحب کی اکثر نوازشیں مجھپر رہا کرتی ہیں اور خطوط اکثر آتے ہیں ممنون یاد آوری ہوں - کوئی شعر انکا یاد نہیں - انکے علاوہ چند غیر مشہور تلامذہ کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے -

قدرت علیخاں قدرت - اہلمد محافظ خانہ فوجداری رامپور - کلام انکا خود ظاہر کریگا کہ کس پایہ کے ہیں -

---

کلام قدرت

ترک کس کے گلے پہ چلا خنجر تو مزا ہو
ہم نہ مرے تڑپنے میں سو لطف جفا ہو

وہ نہیں خوبی اگر آجائے چمن میں
نکہت کی طرح رنگ گل و غنچہ ہوا ہو

انصاف کے معنی ہیں یہی داور محشر
راحت ہو تو کم ہو جو الم ہو تو سوا ہو

خون ناحق کیوں ان کے گریباں پہ ہے سر تو خوشی کا
ہم وہ ہیں کہ پیدا ہوئے پیری پابوس حنا ہو

کیوں بیٹھے ہو سر اپنا جھکائے ہوئے قدرت
وہ نخچیر کا دم بھرتے ہیں تم اور کو چاہا ہو

افسر - جناب احمد حسین خان صاحب - اپنے کو تسلیم کا شاگرد فرماتے ہیں کلام یہ ہے -

میری میت پہ بیکسی کے سوا
نوحہ گر کوئی دوسرا نہ ہوا

فتنہ پرداز پر دغا ظالم
تجھسا دنیا میں دوسرا نہ ہوا

مجکو رسوا کیا تباہ کیا
پھر یہ کہتے ہو پوچھنا نہ ہوا

گر قدمبوس کی تمنا تھی
افسر اوسکا تو نقش پا نہ ہوا

محمد اکبر سررشتہ دار عدالت دیوانی - حبیب اللہ خان حبیب - حکیم عطاء الرحمن علیم معاون المہد متعلقہ سپرنٹنڈنٹی - لالہ گنگا پرشاد شیدا - غلام حضرت خان حاذق - آخر الذکر شاگرد کا کلام کمال دہلی میں آجکل چھپتا ہے ان کے شعروں سے انکا پایہ بلند معلوم ہوتا ہے خبر نہیں واقفیت فن کا کیا حال ہے - رامزی کالج الور کے پروفیسر ہیں -

کلام حاذق

چاروں طرف جو جلوہ حق کا ظہور ہو
پھر کیوں خصوصیت سے فقط ذکر طور ہو

جو شخص شراب محبت میں چور ہو
کیا اوسکو آرزوی شراب طہور ہو

رامپور کے ایک رپورٹر نے اونکی مخالفت بھی کی ہے مگر غزل کے دو شعروں نے مجھکو یہ مان لینے پر مجبور کر دیا کہ یہ تسلیم کے اچھے تلامذہ میں معلوم

ہوتے ہیں ؎

ابتک نہ ختم عمر ہوا نکا سفر ہوا | رہرو کا کیا گناہ جو منزل ہی دور ہو
ضبط الم ہے شرط محبت وگرنہ میں | چیخوں تو دم بخود ہو سے نالوں کے صور ہو

قطعہ

تسلیم کو جو آج نہ مانے امام فن | حاذق نہ اوسکو شعر و سخن میں شعور ہو
مثل خراب شعر کی کرتا ہی وہ جسے | تمیز قافیہ ہو نہ علم بحور ہو

علاوہ اسکے ایک گرامی نامہ میں نبی علی کشتہ کا ذکر تھا اور معلوم ہوا کہ مدراس اور الہ آباد میں بہتیرے شاگرد جناب تسلیم کے ہیں مگر خبر نہیں کیا ہیں باوجود اعلان کسی نے کچھ نہیں لکھا - اور اوستاد تسلیم کا تو قدیم قول کہ میں اس زمانہ میں اپنا شاگرد کسکو بتلاؤں البتہ شعرائے نو کہن کا ہوں - رامپور کے نومشقوں سے ناک میں دم ہے معلوم نہیں رامپور وہ کون سے نومشق ہیں جنکی ضمیر صاحب بھی خبر لیتے کہ جھوٹے دعوے سے لوگ باز آئیں -

اسیر آتی ہے مجھکو شرم اس محفل میں کچھ پڑھتے ؎ کہ میں ناقص ہوں اور کامل یہاں ہر فن کے ٹھہرے

ان تلامذہ نامآور اور اہل فن کے آگے اپنا ذکر تا سورج کو چراغ دکھلانا ہے اس لیے کہ میں ان تمامی حضرات میں کمتر اور حقیر ہوں اور شاگرد تسلیم جانے کا مستحق نہیں - البتہ دعوائے کفش برداری ضرور ہے اور اسی سے اوسکے غلامان غلام میں بغرض یادگار حیات مستعار اپنا نام بھی لکھ دیتا ہوں - اپنی مفصل حالت کے رقم کو ایک دفتر کی ضرورت ہے

ضمیر الدین احمد عرش - ہمارے اجداد مضافات صوبہ بہار کے رہنے والے تھے از ابتدا تا زمانہ والد مرحوم کسی نے بجز زمینداری کسی قسم کی نوکری نہ کی - ہمارے والد منشی بندہ علی مرحوم ترک وطن کرکے گیا میں آئے یہاں وکیل درجہ اعلے ہوئے معیشت کشمیر سکان - بنگلہ - باغ - گھوڑا گا

مختلف قسم کے سامان امارت حاصل کیئے مگر ہنوز دو وقت اونکا ناتمام تھا
علیل ہو گئے اور تقریباً چھتیس ۳۶ سال کا زمانہ صاحب فراش رہ کر گذرا
یہانتک کہ بغیر مدد کسی کے کروٹ بدلنا محال تھا۔ ہندوستان کے
ہزاروں حکیموں ڈاکٹروں کا علاج کیا کچھ کارگر نہوا۔ آخر زمانہ میں فقرا
اور بزرگان دین کے مزاروں سے حاجت روائی چاہی۔ اجمیر شریف
پھلواری اور دیگر مشہور مقامات میں چلہ کش رہے۔ اور فقرا و اہل دل
تک جس طرح ہو سکا خود پہونچے اور اکثر کو مہمان کیا مگر یہ بھی بیکار نکلا آخری
درخواست حضرت مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں کی خود گنج مراد آباد شریف
تک تو جانہ سکے مگر نامہ و تحفہ کے ساتھ اکثر لوگوں کو بھیجا حضرت نے فرمایا
کہ میں اون کے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتا ہوں اور کوئی خواہش فضول ہے
غرض اس ذریعے سے اسرار ربانی اور حکم خداوندی کا پتہ مل گیا۔ اور بالکل
متوکل ہو کر بیٹھ رہے۔ اس سارے زمانے میں لاکھوں روپیہ صرف
کیا اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ علاقہ پر قرض بھی ہو گیا یہانتک کہ
۱۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۰ھ کو انتقال فرمایا۔ گیا محلہ ڈبلیا کے ایک
خاص باغ میں جہاں عمر کا آخری حصہ گذرا تھا اب بھی آرام فرما رہے
ہیں یہ تاریخ وفات ہے:-

دار ہستی سے والد مغفور ✣ چھوڑ کر ہائے ہمکو آج گئے
مصرع سال انتقال ہے عرش ✣ آہ باغ ارم کو آج گئے

یہ تا وقت مرگ نہایت فقیر دوست اور پابند صوم و صلوٰۃ رہے سخاوت
کی بدولت گیا والوں میں سب سے زیادہ مشہور و ممتاز تھے۔ گورنمنٹ
کی نگاہ میں اور حکام ضلع کے آگے بڑی آبرو تھی۔ مرحوم انجمن اسلامیہ
گیا کے سکریٹری بھی تھے۔ ایک کثیر آمدنی کا تعلقہ چھوڑا ہم تین بھائی اور
ایک بہن (جنکا انتقال بنارس سے واپسی پر مظفرپور کے میں انجن سے دبکر

ہوا تھا اور یہ دردناک واقعہ رفیع الاخبار بنارس میں درج ہو چکا ہے۔ ان کے
مالک تھے۔ بدنصیبی سے بھائیوں میں نفاق ہو کر گھر بالکل مٹ گیا۔ بھائیوں
نے تعلقہ کا تعلقہ کوڑیوں کے مول نیلام کرا کے لیا یہاں تک کہ نوبت
بلا دست آئی ہے۔ سب سے بڑے بھائی ہیں ایک مولوی امیر الدین احمد پنشنر
محکمہ ججی گیا۔ دوسرے مولوی نظیر الدین احمد ہیڈ اسٹور کلرک ڈی۔ ٹی
ایس۔ ایس گیا۔ تیسرا یہ بدقسمت جو بنارس اور مرزا پور میں امیدوار
سب رجسٹراری رہ کر اب ریلوے میں آکر پڑا ہے سلور مرکب کر کسی
طرح بسر کر رہا ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم مولوی عبد الکریم صاحب
مرحوم بہاری پنشنی اور مولانا محمد اسحق صاحب سے کہ جو اپنے رنگ کے تھے پائی
اور انگریزی تعلیم برائے نام ضلع اسکول گیا میں ہوئی۔ فن شاعری میں ابتدا
سے تحصیل غزلیں بزمانہ قیام بنارس و غازی پور علامہ مولانا شمشاد
فرنگی محلی لکھنوی کو دکھلائی تھیں اوس زمانہ سے اسوقت تک متروکات زبان
کا پابند ہوں۔ ایک دیوان موسوم بہ فیض گلشن دلیج کے رنگ کا مرتب
کیا۔ قافیہ بندی و دیگر مضمون رس شعرا کی صحبت میں وہ دیوان تالف
ہوا یہاں تک کہ پھاڑ ڈالا۔ دوسرے دیوان کی ابتدا تلخ و منیر کے رنگ سے
کی جب استاد تسلیم مد ظلہ کی اصلاح کا شرف حاصل ہوا تو وہ رنگ بھی پسند
نہ آیا۔ دہلی والوں کے انداز بیان اور درد انگیزی مضامین کا دلدادہ ہو گیا
یہاں تک کہ ایک زمانہ کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ اسم تاریخی نظم نوا
مرتب کیا یہ تمام و کمال استاد تسلیم کا اصلاحی ہے۔ اسی دیوان کی تاریخ
استاد تسلیم نے اپنے دیوان دوم میں درج فرمائی ہے۔

سراپا ہے الہام جسکا سخن ؛ رہا اوج فکر فلک سیر عرش
ہوا سرمہ چشم اہل زمن ؛ کیا جمع دیوان معجز نظام
یہ دیوان ہے نظم ارباب فن ؛ کہی ہے تسلیم تاریخ سال

دیگر

زہے عرش و سجادہ شیوا بیاں ؛ کلامش جو اعجاز فرخ سرشت
کنون داد ترتیب دیوان خویش ؛ چو گلدستۂ بزم باغ بہشت
پے سال تسلیم شوریدہ سر ؛ ہمہ خوب و بے مثل دیوان نوشت

علاوہ اسکے اور اکابرین جو اوسوقت زندہ تھے مثل نفیس صاحبزادہ میرانیس مرحوم جناب امیر مینائی - یا داغ وغیرہ اور حضرت تمنا ولد اور میرزا جعفر صاحب اوج یادگار دبیر وغیرہ نے تقریظیں اور تاریخیں موزوں فرماکر بھیجدیں جسکا اعلان اوسی زمانہ میں کردیا گیا - مگر وائے گمنامی کہ دیوان ہنوز غیر مطبوع ہے اور کلام اپنا آپ پسند نہیں جب دیکھتا ہوں پھر بنا دیتا ہوں غرض یہ مجموعہ پریشان انتظار قدر دان میں پڑا ہوا ہے علاوہ اسکے ایک ناول نہر نافرمانی جو یادگار کم عمری ہے ایک دوست کی ضد سے چھپ چکا ہے مجھے بالکل پسند نہیں - تیسری کتاب حیات تسلیم ہے لاہور میں چھپی جسپر بتوفیق تاریخ یہ دو شعر اوستاد تسلیم نے بھیجے تھے

ہو جبکی حشر میں اوسکی توقیر ؛ زندگی میں نہ ہوئی جسکی تعظیم
دونوں عالم میں ہے یکساں ہمدم ؛ مرگ تسلیم و حیات تسلیم

تیسری کتاب نامکمل صحت محاورات اردو میں ہے جسکے اکثر اوراق خدا جانے کہاں غائب ہو گئے - چوتھی کتاب تحقیقات فن اور بحث عروض و قافیہ میں ہے یہ بھی مکمل نہیں ہوئی - پانچویں کتاب تاریخ آگرہ و دہلی ہے جسکا نام بارگاہ سلطانی رکھا تھا اسکا حق تصنیف لیکر اپنچ کے ایڈیٹر نے دو برس تک اپنے مطبع میں ڈال رکھا تھا اور بالآخر عذر بے بضاعتی سے اوسکے مجھکو واپس لینے پر مجبور کیا شاید اس آب و رنگ کی تاریخ ناظرین کی نگاہ سے نہیں گذری ہوگی میں نے طرز رنگینی کی ہے - اور دوبارہ سہ بارہ سفر میں تکمیل کو پہونچی ہے کوئی لائق اعتبار

مطبع اگر نظر آیا تو اوسکے حوالہ کرونگا چھٹی کتاب اپنا تیسرا دیوان ہے جس میں مختلف مذاق کی غزلیں وغیرہ ہیں۔

اسکے علاوہ قومی خدمت کے لحاظ سے عرصہ تک الپنچ - لاہور پنچ - اودھ پنچ - دہلی پنچ - نیر اعظم - پیسہ اخبار - مخزن - اردوئے معلی - وغیرہ کی مضمون نگاری کی ہے اور ایک عرصہ تک اصلاح اہل وطن کے لیے بہار پنچ کی ایڈیٹری کی اب یہ سارا علمی چرچا جاتا رہا۔ انجمن اخلاق نامی ایک انجمن کے سکرٹری کے فرایض بھی ادا کئے مگر یہ کوئی جادو اہل وطن پر نہ چلا اور وہ باوجود علم و دولت بے مذاق کے بے پسند رہ گئے۔ صرف محبان وطن میں جناب بابو نند کشور لعل ایم۔ اے وکیل وزیر آباد اگیانے اور خان بہادر مولوی خیرات احمد وکیل نے یکگونہ اس ناچیز کی قدردانی کی اور اسکے قلمی خیالات اخبار میں درج بھی ہوئے۔ اور اس میں سے اپنے آخری زمانے میں بغرض استحفاظ زبان ایک مشاعرہ خاندان مومن کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ زیر انتظام عزیزی حافظ ولایت اللہ ابر[1] سلمہ جنکی طبیعت زرخیز اور مضمون رس واقع ہے برابر ہوا کرتا ہے۔ اس میں اسوقت کے نکتہ رس لوگوں میں میرے عنایت فرما اور مہربان منشی احمد علی صاحب عشرت یادگار غالب۔ حکیم نبو صاحب ہلال بنارسی یادگار غالب مکرمی شہزادہ مرزا سلطان شکوہ صاحب جاہ دہلوی اور شہر کے نوجوان شعرا میں عزیزی منشی محب الدین نجم سلمہ جو جناب حضرت شمشاد کے شاگرد ہیں اور ناسخ و نیر کے رنگ کے شیدائی ہیں۔ شیخ الہی بخش ایجاد۔ کبھی کبھی منشی وحید الدین ساحر کشمیری وغیرہ اور

[1] یہ بھی ابر شاہجہانپوری ہیں جنکی غزلیں اکثر اردوئے معلی میں چھپتی ہیں۔ یہ ہمارے قدردان مولوی نور الدین صاحب بلخی وکیل کے مدار المہام ہیں۔

نکتہ فہم رؤسا میں مکرمی خواجہ حمید جان عرف پیارے صاحب اور انکے ہونہار صاحبزادے شہزادہ میاں وغیرہ اور باہر والوں میں نواب شمس العلما مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی - اور شفق عمادپوری وغیرہ شریک ہوا کرتے ہیں - ان میں عشرت اور اثر کا پایہ بہت بلند ہے اور میں جسقدر ان اصحاب کا شکریہ ادا کروں کم ہے مشاعرہ جو توقیر اس ناواقف فن کی یہ اصحاب فرماتے ہیں اوسکا اظہار چھوٹا منہ بڑی بات ہے -

ارباب وطن کی ناقدر دانیوں کا رونا ہر شخص کے ساتھہ رہا ہے یا رونکی غیبت اور بدگوئی کی عادت چلتے جی تو جانے سے رہی ؎

وطن میں جوہر ذاتی کی چاہ کیا تسلیم ؛ صدف میں قدر نہیں آبروئے گوہر کی

اور کیا لکھوں - جناب تسلیم کے باکمال تلامذہ کے آگے اپنے شعروں کا پڑھنا اور درج کرنا اپنے کو رسوا کرنا ہے اہل ملک کو ہر وقت اوسکے دیکھنے کا موقع ملا کرتا ہے -

اس تطویل لاطائل بحث کو تمام کرکے اپنی اولاد کا ذکر کرتا ہوں کہ محل اول[۱] سے ایک ہونہار لڑکا جلال الدین احمد تھا صغیر سنی میں مفارقت دیا اب صرف محل ثانی سے ایک لڑکا صغیر سن صلاح الدین احمد باقی ہے - شعر و شاعری میں نہ میں کسی کا جانشین ہوں نہ کوئی میرا سجادہ نشیں - آجتک تو یہی ہے کل کی خبر خدا جانے سلسلہ بیعت بواسطہ حضرت مستان شاہ صاحب مدظلہ مولانا فضل الرحمٰن سے ملتا ہے -

احباب باکمال اور اہل نظر سے عرض ہے کہ اس رسالہ میں اگر کسی جگہ لغزش پائیں تو دامن عطا سے ڈھانک دیں کہ طریقہ نفوس پاک کا ہے -

وباللہ التوفیق -

---

[۱] یہ شادی دلی کے شریف خاندان میں ہوئی - محلہ فراشخانہ مقام سکونت ہے -

غزل ہندوستان استادی ملک الشعراء حضرت تسلیم جسپر اعتراض مومن وغیرہ

رونق باغ جہاں تسلیم ہیں	بلبل ہندوستاں تسلیم ہیں	عندلیب گلشن فکر ہے	غیرت آسماں تسلیم ہیں
ہے سمندر طبع اقدس آپ کی	موج بحر بیکراں تسلیم ہیں	تھے جو بحر تاریخ و رشک منیر	ایک اونکے ہمزباں تسلیم ہیں
بعد اسکے شاعری اٹھ جائیگی	رونق ہندوستاں تسلیم ہیں	لکھنؤ مومن کے مزار پاک ہے	آپکے نام و نشاں تسلیم ہیں
وہ ہیں استاد میں شاگرد ہوں	میں زمیں ہوں آسماں تسلیم ہیں	لکھنؤ سے کم نہیں ہے رامپور	ایسے جو کچھ ہیں وہاں تسلیم ہیں
لو امیر و داغ بھی اب چل بسے	حسرت اک اہل زباں تسلیم ہیں	عافیت حامد علیخاں نے یہ کی	پیر ہو کر بھی جواں تسلیم ہیں

حسرت بالوسی استاد ہے ۔ عرش جل بھی ہیجاں تسلیم ہیں

غزلیات حضرت عرش[۱] خود از انتخاب اردوئے معلیٰ علیگڈھ

جب سے داغ الم دل میں پھولا نظر آیا
کچھ اور ہی نقشہ عدم آباد کا پایا
اک چھیڑ نکالی وہیں پیکان ستم نے
تجھ ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اوسے چاہا
اب رات نہیں صبح کے آثار ہیں ظاہر
دم سخت جانکو تو نے بیجان کیا
جسم پر میرے جراحت کی بدل دیں صورتیں
گلشن بلبل کے محبت ہی ایسی ڈالدی
کچھ میری مشکل نہیں یونس کی مشکل سے سوا
وجد کے لائق سخندانی اگر اوسکی ہے عرش

اس نخل میں پھول آپسے بکھرا پایا
اک اور ہی عالم تہ مدفن نظر آیا
کچھ دیر کو بھی دل کا جہاں تھم بھر آیا
دل ہی تو ہے ظالم جدھر آیا ادھر آیا
بیمار ہوا ہے عرش کہ وقت سفر آیا
واہ کس خوبی سے اس مشکل کو آساں کر دیا
تو نے زخموں کو نمک بھر کر نمکداں کر دیا
جسنے باغ دہر میں گل کو نمایاں کر دیا
کیسی کیسی مشکلوں کو تو نے آساں کر دیا
جسنے اپنے فیض سے مجکو سخنداں کر دیا

خوب برہم کیا ہے کام مرا
کام میرا کیا تمام آخر
صورت شمع جل بجھا آخر
ہجر کی شب ہے اور کون اپنا
عرش کیونکر بقدر قیس کروں

بیخودی اب تو لے سلام مرا
آہ وہ عشق ناتمام مرا
دیکھ انجام و اختتام مرا
دوست ہے اک چراغ شام مرا
عاشقی میں وہ ہے امام مرا

ختم

[۱] حضرت عرش نے از راہ انکسار اپنا کلام درج کتاب نہیں کیا اسلئے اس کمی کو ہم پورا کئے دیتے ہیں ۔ حسرت

عرش کا سفر رامپور بعد انتقال استاد تسلیم

سبھی جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل میں اسیر ٭ ہائے کیا ہو جو پہنچنے منزل پہ کہ اب دن نہیں
لو اب تو آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا اسکی نورانی دامن کی روشنی
بھی اوس کے ڈوبنے کے ساتھ ہی گئی۔ شام غربت کی تاریکی کا اثر ہر گوشہ
آسمان سے نمایاں ہو رہا ہے۔ باد مخالف کے تیز جھونکے نے بزم سخن کی شمع
کو بجھا ہی چکے تھے۔ وہ ایک طرف سے تیرہ بختی کی کالی گھٹا بھی اٹھی۔ ساری
امیدوں پہ پانی پھیرنے والی مینہ کی بوندیں بھی ٹپکنے لگیں۔ آہ مجھ غریب الوطن
کو بے چین شام ہوئی جب میں نظر اوٹھا کر دیکھتا ہوں جنگل اور صحرا کا عالم نظر آتا ہے
راہ منزل کا پتہ نہیں۔ کوئی خضر نہیں رہنما نہیں ہر پہ فکر کہ

سب کہتے ہیں تسلیم کو زندہ ہی نہیں تک ٭ سنتے کی گلی کوچے میں سنا اور کچھ ہے

آہ استاد تسلیم کی موت وہ موت نہیں ہے جس پر ایک میں اپنی عقیدت
کے آنکھوں سے آنسو بہا کر اونکے مزار پہ پھول چڑھاؤں۔ یہ زبان اردو
کی موت ہے جسکی پیدائش بلحاظ سخن عہد حاتم میں ہوئی تھی اور سلسلہ
بہ سلسلہ اساتذہ سلف سے ملتی ہوئی اسکی عمر آپ پر تمام ہو گئی۔ یہ وہ
مزار ہے جس پر سارے اکابر فن کی آنکھیں سچے دل سے ہزاروں برس
تک آنسو بہا کر موتیوں کے ہار چڑھاتی رہینگی۔ جنت آرامگاہ نے
ایک سو تین سال کی عمر میں عہد ناسخ و آتش سے اسوقت تک صدہا
صاحبان فن اور ہزاروں اہل کمال کو دیکھا اور سنا۔ آدھی دنیا کا دور
آپ کے سامنے اُلٹا۔ بلحاظ عمر و فن تواریخ قدیم سے شہادت ملتی
ہے کہ ساری فضیلت یزدانی اساتذہ سلف سے اسوقت تک
آپ کی ہی ذات سے وابستہ تھی۔

ناظرین! پانچ برس سفر کے موقع پر میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ

اوستاد تسلیم کی آخری زیارت کا شرف حاصل کرونگا کیونکہ اونکی علالت
کا اس پیرانہ سالی میں سلسلہ بندھا رہتا تھا یہانتک کہ حضرت اوستاد کو جلا
ہی دی ہی اور بقصد زیارت میں اپنے اسٹاف اور اسباب کے ساتھ
گیا اسٹیشن پر جاکر ٹرین کا انتظار کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک کارڈ بلبل تسلیم
کا ملا جسمیں مرحوم کے انتقال کی خبر تھی ایک ایسے کمربستہ مسافر پر جیسا
کہ میں تھا اس تحریر نے کیا اثر کیا ہوگا اوسکی تشریح کی ضرورت نہیں
مختصر یہ کہ حواس بجا نہ رہے اور صورت مجبور ح اپنی جگہ سے ہلنے کے کام
کا نہ تھا مگر آفریں اس ضبط غم پر اور زاویں جوش محبت پر جس نے اس حالت
میں بھی اسی طولانی سفر میں دستگیری کی اور میں علی گڑھ کی راہ سے
رامپور تک پہونچا۔ علی گڑھ اسٹیشن میں ہمارے قوت بازو و بہائی۔ مولانا
فضل الحسن بی۔ اے۔ حسرت تخلص اڈیٹر اردوے معلیٰ و تلمیذ رشید
اوستاد تسلیم کو میرا انتظار تھا۔ ان سے ملکر میں نے یہ افسانۂ غم
بیان کیا جسنے حکم فرحت شان پر لباس غم پہنا دیا۔ اور اس تھوڑی
دیر کی یکجائی میں بھی آسمان ستم شعار سے خوش ہونے کا موقع
نہ دیا۔ پھر بھی حسرت صاحب کی ملاقات نے اونکی برادرانہ محبت کا
پورا ثبوت پہونچایا اور جب تک میں رامپور روانہ ہو لیا وہ پاس
رہے واپسی میں ٹہرنے کا وعدہ کیا مگر واے بخت فرصت کا وقت
ختم ہوگیا تھا حسرت کی حسرت ہی لیئے ہوئے براہ راست واپس آیا۔
حسرت خوش نواسے مفارقت کے بعد میں رامپور پہونچا اور بلبل تسلیم
جناب محمد اسمٰعیل خان صاحب صبر تلمیذ تسلیم کو اسٹیشن سے اپنے آنے کی اطلاع
دی انہوں نے گاڑی بھیجکر مجھکو نہایت اخلاص کے ساتھ اپنا مہمان
کیا۔ یہاں صاحبزادہ تجمل حسین صاحب یادگار اوستاد مرحوم جنکی عمر
تقریباً ستاسٹھ سال کی ہے تشریف رکھتے تھے (گل بلنغ آرزو) اونکی

ولادت کی تاریخ منشی اشرف علی صاحب مرحوم شاگرد نسیم نے فرمائی تھی گو ان کو فن شعر سے تعلق نہیں مگر دیرینہ کرمفرما تھے غایت شفقت سے پیش آئے اور گلے لگایا۔ صاحبزادہ صاحب کی صورت اور سیرت پر استاد تسلیم کا صاف دھوکا ہوتا ہے خدا تا دیر سلامت رکھے۔ فرمانے لگے کہ تو اسوقت آیا جب والد صاحب چل بسے۔ کہتے تھے کہ ڈیڑھ مہینہ قبل انتقال کے لکھنؤ آنکھوں کے بنوانے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے نشتر گہرا لگ گیا اور غذا ہی ترک ہو گئی صرف پانی کے سہارے پر چند دن زندہ رہکر ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء پانچ بجے شام کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ (چونکہ قدرتی طور پر آفتاب عالم تاب کے غروب ہونے کا وقت بھی آچکا تھا اس لیئے اس مہر سپہر سخنوری نے بھی اسی وقت اپنا منہ دامن ظلمت عدم سے چھپا لیا۔) آپ محلہ تال کٹورہ خداداد باغ میں مسکن پذیر ہوئے۔ باغ کی خصوصیت میں بھی ایک نکتہ تھا۔ حضرت استاذ الاساتذہ نواب اصغر علی خاں نسیم بھی لکھنؤ ہی کی خاک پر پاؤں پھیلائے ہوئے سو رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں اشارہ فرما گئے تھے کہ

بند از مخمس تسلیم

شوق پابوسی استاد اگر ہے تسلیم :: چل سوئے گل وہیں ہو نکہتی کہ عالم میں مقیم
کہہ گئے ہیں دم رخصت جان ثبت مستقیم :: طوف ہر نخل کریگی صفت گرد نسیم
ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

افسوس کہ صاحبزادہ صاحب نے عدم مذاق کے باعث استاد تسلیم کی آمد اور انتقال کا کوئی ذکر طبقہ شعرائے لکھنؤ میں نہیں کیا ورنہ جنازہ کے ساتھ خدا جانے کتنا بڑا ہجوم ہوتا۔ اہل لکھنؤ کو کمال حیرت ہے کہ یہ واقعہ لکھنؤ میں کب ہوا اور کس طرح ہوا۔ خیر اب یہ رونا بیکار ہے۔ ع۔ آن قدح بشکست و آن ساقی نماند۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت

بیں جگہ دے اور پیدا ہوا اور صاحب جو آخری یادگار استاد ہیں جنکے بعد
نسل کا خاتمہ ہے اپنے مرحوم شفیق والد حضرت حسین سوریا سے پایا
کریں - یہاں ضمناً چند باتیں اور عرض کرنا چاہتی ہیں - استاد مرحوم کا بچہ
سرمایہ چھپا ہے یعنی کئی ہزار اشعار کی ایک پیش کش ... جس میں بچے
[illegible] متعلق غزلیں غیر مطبوعہ صورت میں ... شاگرد مولوی [illegible]
[illegible] قبضے میں ہیں - اور [illegible] غیر مطبوعہ کی
[illegible] کی خفیہ [illegible] ہیں مرحوم کے انگریزی الفاظ کو
بڑی صحت سے نبھایا ہے اور کبھی غیر اشعاروں میں ذرا ذرا سی حالتوں کی
سچی تصویریں کھینچی ہیں ندرگذرا نے کے بعد جناب قیصر صاحب کے یہاں
پیش ہوئی ہے زمانہ آخر میں احباب کی قدر سے منقولہ فن عروض و قوافیہ
کی بحث میں ایک ایسا زبردست رسالہ مختلف اجزا میں تیار کرنے کی
کوشش فرمائی تھی جسکا جواب سلف سے اسوقت تک ممکن نہیں -
اسکے جزو ہی حصے کو یا جو اہم پارے حضرت قیصر صاحب کے یہاں
ہیں اکثر مثنویاں غیر مطبوعہ مختلف حضرات کے یہاں دبی اور پڑی
رہ گئیں - غزلوں کا کچھ مجموعہ میاں قدرت علی خاں قدرت کے حصے
میں آیا جو نام کو حضرت استاد کے شاگرد تھے

مولوی عتیق الرحمن صاحب کلیم نے کہا کہ لکھنؤ جانے سے چند دن پہلے
اکثر حضرات نے استاد سے عرض کیا تھا کہ دم پیری آپکا زور بہت بڑھ
گیا ہے تو ہنسکر یہ مطلع فرمایا۔ تسلیم

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے ⁂ بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

سبحان اللہ ایک سو تین سال کی عمر میں اور یہ کلام - اللہ اکبر
حضرت قیصر فرماتے ہیں کہ استاد نے علاوہ تاریخ بدیع کے ایک
مخفی حالات دربار میں بھی کتاب لکھی تھی - جو ریاست میں لائق کتاب کے

تمام سے موسوم ہے اسی میں جنرل اعظم الدین خاں کے قتل کا واقعہ اور طرح طرح سے تحقیقی واقعات کی اطلاع ہے جس وقت نواب صاحب کی خدمت میں یہ کتاب پیش ہوئی۔ انگشت بدنداں ہوئے اور پوچھا کہ تسلیم کیا چاہتے ہو۔ آپ نے تسلیم [illegible] کہا کہ مجھ کو ایک [illegible] روزینہ جو ازل سے [illegible] کتاب خاص نواب صاحب کے [illegible] کبھی کبھی وہ خود دیکھا کرتے ہیں کسی اور کے دیکھنے کا حکم نہیں ہے

مرتے دم تک اپنی عقیدت استاد کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو آج تک جناب نسیم سے روحانی فیض پہونچا کرتا ہے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ کسی عمیق کنوئیں سے پانی بھر رہے ہیں اور ڈول اسقدر گراں ہے کہ کھنچتا نہیں آپ نے پکارا کہ تسلیم تو اسکو کھینچ آپ نے اسکو جا کر نکالا فرمانے لگے کہ یہ کنواں اس دشوار فن کی نسبت رکھتا ہے۔ استاد تسلیم جناب نسیم کا فاتحہ اکثر دیا کرتے تھے اور تا دم مرگ روحانی فیض طرح طرح پر حاصل کرتے رہے۔

آپ کے احباب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب عبداللہ خاں مہر کلکتے کو مشاعرہ جیت کر آ رہے تھے تو نسیم جنت مقیم کے یہاں اکثر تلامذہ نسیم یکجا ہوئے جس میں منشی اشرف علی صاحب اشرف مرزا اچھو بیگ عاشق عبداللہ خاں مہر۔ نواب محمد تقی خاں۔ حضرت تسلیم وغیرہ سبھی تھے نسیم نے اپنا یہ مطلع پڑھا

زخم آچھا ہے دشمن کی پریشانی پر ۔ زخم رو دیتے ہیں شمشیر کی عریانی پر

سب نے بے اختیار داد دی اور سب کے سب جھومنے لگے استاد تسلیم بھی ادباً داد دیتے تھے مگر اونیر وہ جھوٹا عالم وجد نہ تھا یہ بات نسیم کی نگاہ میں کھٹکی آپ نے تسلیم سے پوچھا کہ میں تیری نظر پہچانتا ہوں

جو کچھ دل میں ہو وہ کہہ۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ حضور کا ارشاد ہے اوس میں دخل دوں کیا طاقت۔ مگر نسیم کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے فرمایا اگر میں کہتا تو یوں کہتا۔ ؎

رحم آجاتا ہے دشمن کی پریشانی پر
زخم خوں روتے ہیں شمشیر کی عریانی پر

خوں روتے کے لفظ نے نسیم کو پھڑکا دیا اور دعائیں دیں۔ صاحبزادہ صاحب نسیم کے دیکھنے والوں میں ہیں کہتے ہیں کہ نسیم کو آخر زمانہ میں کیمیا کا بڑا شوق ہو گیا تھا شعر ایک طرف اسی دھن میں لگے رہتے تھے۔ شاگرد دیکار ریکار کر واپس ہو جاتے تھے۔ آخر عمر میں ایک نکاح بھی کیا تھا جس سے ایک شوریدہ سر لڑکا تھا خیر نہیں کیا ہوا۔ عقاید نسیم کی نسبت کہتے ہیں کہ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل کہہ دیا تھا کہ اب گلشن فانی سے نسیم کی رخصت ہے عجیب اتفاق کہ روز مرگ گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا اپنی بی بی سے کہا کہ چار عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی ایک تم ہو ایک لونڈی دو عورتوں کو باہر سے اور بلوا لو چنانچہ دو اور آئیں آپ نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں ایمان صادق کے ساتھ اٹھتا ہوں کلمہ پڑھا اور راہی ملک بقا ہوئے۔ غرض صاحبزادہ صاحب دیرینہ سال نے عجیب عجیب واقعے بیان کیئے جنکے اندراج میں خوف طوالت ہے اور غرض اصلی سے دور ہو جانا پڑے گا۔ اسلیئے میں صبر صاحب کی عنایتوں کے ذکر کے بعد موجودہ تلامذہ تسلیم کی ملاقات اور کلام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاجی اسمعیل خاں صبر المخاطب بہ بلبل تسلیم جو ایک سعادتمند صاحب مشق و صاحب اثر شاگرد اوستاد تسلیم کے ہیں خاکسار کی نہایت درجہ مہماں نوازی کی چونکہ خاکسار عرش کی آمد کی خبر اہل رامپور کو ہو چکی تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ایک صاحب دیوان خادم تسلیم کا ہے اسلیئے اطراف

و جوانب کے شعرا کی آمد ہوئی صبح سے بارہ بجے شب تک شعر و
سخن کا چرچا رہتا تھا مختلف اساتذہ کے شاگردوں کے علاوہ استاد
تسلیم کے تلامذہ کی بھی کثرت رہی اور یہ چند دن جو رامپور میں گذرے بڑے
مزے میں گذرے۔ بلبل تسلیم کے علاوہ ہمارے دلی دوست جناب
قاضی نذر حسین عاقل وکیل ریاست۔ جناب شمس الحق خیال تلمیذ تسلیم وکیل
ریاست۔ ہمارے مخدوم مکرم جناب محمد یار خاں صاحب ناظر عدالت
جہاں استاد تسلیم نے اپنی عمر کا آخری حصہ گذارا تھا۔ جناب منشی محمد اکبر نشتر
شاگرد تسلیم۔ جناب منشی واحد علی صاحب آبر شاگرد امیر مینائی نائب
میر منشی ریاست۔ عالیجناب میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ خاں صاحب
مہر و مہرہ نے اپنے گھر طلب فرما کر دعوتیں کیں۔ اکثر نے ٹی پارٹی دی۔
اکثر نے صحبتیں قائم کیں۔ ان سارے جلسوں میں عمائدین اور نامی
شعرا تشریف فرما ہوتے رہے جنکا کلام اپنی جگہ پر درج ہوگا۔ غرض
میں اہل رامپور کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا کہ اون اصحاب باکمال
نے کسقدر نوازشیں اور عزت افزائیاں فرمائی ہیں۔ اور بقول حضرت صبر
یہ غلغلہ اسقدر بلند ہوا کہ اگر نواب صاحب بہادر علیل نہ ہوتے اور یہ خبر
وہاں تک پہونچی ہوتی تو مجھے یقین ہے محلوں میں پھر جلسے قائم ہوتے۔ خیر یار زندہ
صحبت باقی مجھکو بڑا افسوس یہ رہ گیا کہ ہوم سکریٹری بہادر نواب
مصطفیٰ علی خاں صاحب تک جو میرے دیرینہ مشفقانہ کرمفرما تھے اون
پہونچا جب وہ نہ تھے۔ صرف چیف سکرٹری صاحب سے سلام کی
نوبت آئی۔ ضمناً ایک امر اور بھی عرض کر دینا ضرور ہے۔ متعدد جلسوں کی
بعد جب میرا کلام اہل نظر نے ملاحظہ کر لیا تو حضرت فانی کے یہاں ٹی
پارٹی کے موقع پر صاحبزادہ تجمل حسین صاحب نے تجویز جانشینی کی اکثر
نے بلبل تسلیم صبر کی طرف اتفاق فرمایا بعض نے مجھکو منتخب کیا حضرت صبر

بھی تحریک کی کہ عرشؔ ہمارے دیرینہ استاد بھائی ہیں یہ پگڑی عرشؔ کے
سر باندھ دی جائے۔ بعض نے کہا کہ بیشک عرشؔ کا پایہ خدا نے ازروز
ازل بلند کیا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ لاریب یہ سب صحیح ہے مگر
اونکا قیام رامپور میں نہیں ہے اور یہاں ایک شخص کی ضرورت ہے۔
اسیرؔ ہمارے دوست حضرت فانیؔ وغیرہ نے یہ تحریک کی کہ عرشؔ کا پایہ
کلام چونکہ بہت زیادہ بلند ہے جسکی عینی شہادت کو آجکل اخبار دبدبہ
سکندری اور بدیہی شہادت کو وہ خود اس جلسہ میں موجود ہیں اونکا
جانشین نہ بنایا جانا ظلم ہے اور ملک کی نگاہ میں خود ذلیل ہونا ہے اسلیے
ہم چند احباب کی یہ رائے ہے کہ ممالک مشرقیہ و مغربیہ کے لیے دو جانشین
تجویز کیے جائیں اون میں سے ایک جگہ مولانا عرشؔ کو اور ایک
حضرت صبیحؔ کو دی جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ اور یہ
بات قرار پا گئی کہ کل یہ رسم بہ صدارت میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ
خاں صاحب بہادر کی کوٹھی میں ادا کر دی جائے۔ کیونکہ یہ ایک جلیل القدر
رئیس اور قدر دان تسلیم ہیں۔

اسیرؔ میں نے اپنی یہ ناچیز رائے پیش کی۔ کہ اول تو میں بغرض تعزیت
استاد آیا ہوں نہ بخیال جانشینی جسکا میں ازل سے بوجوہ ذیل مخالف
ہوں۔

نمبر ۱۔ کوئی شاگرد کسی استاد کا جانشین نہیں ہو سکتا۔ امیرؔ و داغؔ و جلالؔ
کی جانشینی جو کی گئی ہے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور غرض جانشینی کی یہ ہے
کہ جمہور کے ساتھ دیگر تلامذہ استاد بھی اوس سے اوسی طرح اتفاق
فرمائیں کہ اگر اونکو کسی معاملہ میں شبہ ہو تو جانشین سے دریافت کریں اور اوسکے
فتوے اور اصلاح کو عین شہادت استاد جانیں۔
نمبر ۲۔ دیکھنا چاہیے کہ جانشینان امیرؔ و داغؔ و جلالؔ کو ملک نے یا کم سے کم

اونکے استاد بھائیوں نے بھی جانشین تسلیم کرلیا یا آپس میں اور ایک نفاق کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔

نمبر ۳ - آیا استاد تسلیم کی آبرو جو نگاہ ملک میں ہوئی وہ کسی عطیہ خطاب جناب نسیم کی بدولت یا رسم دستاربندی و جانشینی کے لحاظ سے ہی میرے خیال میں اونکے مشق سخن اور اونکے کلام نے اونکو ممتاز کیا تھا اور یہانتک کہ شاگرد اول نسیم جناب اشرف کو جنکے مداح خود جناب مرحوم تھے جو شبہہ ہوا کرتے تھے جناب تسلیم سے پوچھتے تھے یہاں تک کہ مرحوم اشرف علی صاحب کے دواوین محض باین سبب نہ چھپے کہ از راہ خلوص بے اورانہ اونکا اصرار رہا کہ تسلیم تو انکو ایک نظر دیکھ لیں مگر استاد کو اول تو یہ گوارا نہ ہوا دوسرے خود مشق سخن سے فرصت نہ تھی۔

نمبر ۴ - اگر خواہ نخواہ کسی کے سر یہ بھاری پگڑی فرادا نہ رکھ ہی دی جائے تو ہمارے بھائی چراغ خاندان مولانا حسرت صاحب کا کیا خیال ہوگا۔ اور ملک کیا کہیگا کہ حسرت جس طرز کلام کا پایہ مومن مرحوم کے آب و رنگ سے ملتا جلتا ہوا ہے اوسکی کسی نے خبر بھی نہ لی۔

ان ساری دلیلوں پر بھی اہل بلاسپور مطابق رنگ زمانہ قایل نہوئے اور چند تلامذہ تسلیم نے فرمایا کہ وہ علیگڑھی انگریزی شاعر ہے اوسکا کیا ذکر اسپر میں نے مولانا حسرت کے چند شعر پڑھے اور کہا کہ اگر کسیکا مذاق تسلیم اس رنگ تک پہونچ گیا ہو تو وہ اپنا کلام پیش کرے کہ مجھکو تقابل کا موقع ملے۔ مگر کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور جناب کشتہ و بلبل تسلیم شاگردان حضرت تسلیم کی تحریک سے میجر جنرل بہادر کے یہاں آخر وہ معرکۃ الارا صحبت قایم ہو کر رہی۔ میں نے ننگ اکبر صابر صاحب سے یہ کہا کہ جب یہی ہے توچند اڈیٹران اخبار کی شرکت کرائیے تاکہ وہ امر حق کو اپنے اڈیٹوریل کالم میں جگہ دیں۔ واقعہ اصلی رنگ میں روشن ہو۔ اس سے بارے انھوں نے

اتفاق کیا مگر میں نے اپنی ذاتی محبت سے اڈیٹر صاحب دبدبۂ اسکندری
اور حضرت امانت لکھنوی - اور علامۂ عصر مولانا ہدایت رسول صاحب
مدظلہ کو جنکی عالم میں دہوم ہے اسمیں شریک کرلیا - نہایت افسوس
ہوا کہ ہمارے جدید دوست حضرت عیش اڈیٹر صاحب نیرنگ مجکو نہ ملے ورنہ
انکو بھی کھینچتا - اب سنیئے کہ یہ صحبت بڑی دہوم دہام کی ہوئی - اسکی صدارت
منیجر جنرل بہادر نے کی - اس میں حضرت آبر تلمیذ رشید امیر مینائی مرحوم
حضرت فانی - حضرت ضمیر - حضرت نشتر - جناب محمود شاگرد داغ -
جناب جاذب یادگار جلال - جناب بزم یادگار منیر مرحوم شاعر دربار
رامپور - اور بہتیرے سامعین اور شعراء تشریف رکھتے تھے منیجر جنرل صاحب
بہادر نے نہایت گرمجوشی سے خاکسار کو اپنے بغل میں جگہ دی اور
میرے بغل میں استاد تسلیم کا بلبل - بلبل تسلیم نغمہ زن تھا - صاحبزادہ
تجمل حسین صاحب بھی جلوہ فرما تھے - غرض کس کس کو لکھوں - منیجر
جنرل صاحب خود ماہر فن اور شاعر کہنہ مشق ہیں مہر تخلص ہے - ان
سارے شعراء کے کلام بلاغت نظام کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے - مگر
اس بات میں سعی خیر نہ سہی تو یہ کہ بجز حضرت نشتر محرک جانشینی کے
اور کوئی شاگرد جناب تسلیم نہ تھا ہرچند کہ بڑے زور شور سے اسکا
خاص اعلان کیا گیا تھا کہ آج جو کوئی جہاں کہیں چھپا ہو سامنے
آئے - مگر کسیکا پتہ ہی نہ ہوا - آخر بعد اختتام صحبت کوئی ذکر جانشینی کا
نہ آیا - اور دیکھا گیا کہ ضمیر صاحب اور نشتر صاحب وغیرہ میں کچھ سرگوشیاں
ہو رہی ہیں - آپ میں سے پوچھا تو کہا گیا کہ آپ کی دلیل قوی ہے سب نے
اتفاق کیا - منیجر صاحب بہادر نے بھی کہا کہ عرش کی یہ دلیل کہی ہے کہ ضرور ہے

سلہ غیر کی آنکھوں میں جب سرمہ لگایا جائیگا * ہم تمہیں سے پوچھتے ہیں تم سے دیکھا جائیگا
فافہم

سلہ مولانا نے لکھنؤ کے کسی شاعر کا ایک مطلع پڑھا تھا اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے موتی پائے کہ نہیں لفظ ظلم کے نیچے ... اپنے شعر کے نیچے

اعلان جانشینی نہیں ہے جسکا جو مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو گیا۔ اب یہ بحث بیکار ہے اسپر میں نے اپنے بلبلِ تسلیم کو مبارکباد دی اور کہا کہ شکر خدا کہ ہمارے خاندان سے یہ پُرآشوب بحث دور ہو گئی۔ اب ملک خود فیصلہ کر دیگا۔ اسپر چیف جنرل صاحب نے حضرت صبر سے پوچھا کہ کیا قصد ہے صبر صاحب نے تشریح کی اور کہا کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا عرشی اس موقع پر آ گئے ہیں ہم لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اوستاد کی پگڑی آپ کے سر باندہ دی جائے۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ وہ اسکے لائق ہیں۔ مگر چونکہ اس بحث کو میں ختم کر چکا تھا اور اندرونی طور پر اسکے محرک حضرات نے خدا جانے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خاموشی مناسب ہے اسلیئے یہ مسئلہ ناتمام سا رہ گیا میرے چلے آنے کے بعد کیا ہوا خبر نہیں ہے۔

اب میں اس گلشنِ سخن کے منتخب پھولونکا گلدستہ سجا کر ملک کے آگے پیش کرتا ہوں جنکو دوران صحبت میں میں نے بصورتِ گلچیں باغِ سخن سے چن چن کر اپنے دامن میں رکھ لیا تھا۔

حاجی اسمٰعیل خانصاحب صبرؔ۔ المخاطب بہ بلبلِ تسلیم۔ جوان طباع عمر تقریباً پینتیس سال کی ہوگی ضروریاتِ فن سے واقف۔ جمیع اقسام نظم میں خوب کہتے ہیں۔ زمانہ آخر میں اوستاد مرحوم کی بہت خدمت کی اور بقول اونکے بحکم مولانا ظہیر الدین حسین ظہیرؔ دہلوی مرحوم یادگارِ ذوقؔ اوستاد تسلیمؔ سے خطابِ بلبلِ تسلیم پایا۔ سعادت آپکا حصہ ہے۔ یہ دو تین شعر آپکے مجھے بہت پسند آئے۔

صبرؔ

شمع بھی میری طرح عمر بسر کرتی ہے ⁂ رات بھر جلتی ہے رو رو کے سحر کرتی ہے

ولہ

دھجیاں تیری اوڑا دونگا میں اے دستِ جنوں ⁂ آج ہی چاک اگر دامنِ صحرا نہوا

اس باغِ جہاں میں صفتِ برگِ حنا ہوں ⁂ ملا پا ہوں سو ارنگ چھپائے میں پسا ہوں

محمد اکبر نشتر تلمیذ حضرت تسلیم۔ جوان شوخ طبع۔ عمر تقریباً تیس ۳۰
سال۔ کہنا اور پڑھنا دونوں بہت خوب۔ اکثر شرفیاب خدمت رہا کرتے
تھے۔ اوستاد سے انکی بڑی بے تکلفی اور محبت تھی ایک مرتبہ اوستاد
سے کہا کہ حضرت آپ کو ہم آخر لکھنؤ نہ جانے دینگے یہیں دفن کرینگے
اوستاد نے فرمایا۔ ضرور ضرور ایسا ہی ہو میری خود یہی آرزو ہے کہ میری
قبر یہیں ہو اور وہاں میرا سالانہ عرس ہوا کرے اوس کے ضمن میں مشاعرہ
بھی ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمارے مزار کے گرد پھرتے ہوئے اشعار
پڑھا کریں۔ اسکے یہ شعر مجھکو بہت مرغوب ہوئے خدا سلامت رکھے
یہ غزل کی غزل مرصع ہے مضطر کے جواب میں کہی ہے۔ یہ وہ مضطر
خیرآبادی ہیں جواب اپنے اوستاد امیر مینائی سے پھر گئے ہیں۔ مضطر کا
یہ مطلع بھی مجھے نہیں بھولتا۔

مضطر

لڑائی ہی تو اچھا رات بھر یونہیں بسر کرلو ⁂ ہم اپنا منہ ادھر کرلیں تم اپنا منہ ادھر کرلو

نشتر

بلبل ہزار چیخے سر اپنا پھوڑ ڈالے ⁂ گلچیں نے پھول اتنو چن چن کے توڑ ڈالے
محشر میں دیکھ لینا دوزخ کو پانی پانی ⁂ تر دامنوں نے دامن جس دم نچوڑ ڈالے
کیا کیا بنے ہیں گوہر کیا کیا بگڑ گئے ہیں ⁂ گیسو نہا کے اوس نے جس دم نچوڑ ڈالے
کچھ انقلاب ایسا عہد شباب لایا ⁂ بچپن کے عہد اوسنے گن گن کے توڑ ڈالے
مٹی کے پتلے اوسنے روز ازل سے اب تک ⁂ کیا کیا نہیں بنائے کیا کیا نہ توڑ ڈالے

پھل نخل عاشقی کا پایا ہی کسنے نشتر
پتھر لڑکوں نے دیر پا اس سے توڑ ڈالے

مولوی عتیق الرحمن کلیم۔ شاگرد تسلیم۔ جوان متین و سنجیدہ ہیں عمر
پچیس ۲۵ سال ہے استعداد علمی نہایت معقول عربی و فارسی میں کامل
استاد تسلیم کے جدید تلامذہ میں استعداد ممتاز ہیں اوستاد سے اپنے غیر مطبوعہ

چوتھے دیوان کی متعلق غزلیں انکو یکجا اور صاف کرنے کے لیئے دی تہیں اور اونہیں کے پاس ہنوز موجود ہیں۔ بہت خوب فرماتے ہیں ایک مطلع اور ایک شعر انکا یاد رہ گیا ہے۔

کلام

پس مردن بھی اسد جو خیال یار باقی ہے ⁂ کھلی ہیں یا بنی آنکھیں حسرت دیدار باقی ہے
ہماری نیستی ہستی ہمارے ساتھ ہے ہر دم ⁂ حباب بحر کیصورت فنا بھی ہے بقا بھی ہے

منشی گنگا پرشاد شیدا۔ عمر بائیس سال طبیعت بہت رواں۔ پڑھنے کا ڈھنگ بہت اچھا۔ اوستاد تسلیم کے اون تلامذہ میں ہیں جہاں اکثر شام کو آپ جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ علم مطابق ضرورت۔ یہ کلام ہے۔

گر وہ بحر حسن بال اپنے نچوڑے وقت غسل ⁂ قطرہ قطرہ عکس جسم صاف سے گوہر بنے
وہ خراباتی ہوں ساقی کیا تعجب بعد مرگ ⁂ میری مٹی سے خم بادہ بنے ساغر بنے
نازکی سے بار ہے باد صبا بھی دوش پر ⁂ باغباں حیران ہے کس پھول کا زیور بنے

محمد علی خاں نکہت شاگرد تسلیم۔ نوجوان کم سخن و مہذب۔ عمر بائیس سال نہایت متین ہیں ہے۔ یہ کلام ہے۔ مشق انکی جاری نہیں فصلی شاعر مشاعرہ کے کہنے والے ہیں۔

نکہت

مکان یار کی وہ منزلیں آہ کیسی ہیں ⁂ جو کسو نیچے قبر تک پھر بھی ہے پہلی ہی منزل ہے
خیال زلف میں مشکل ہوئی فریاد بھی مجھکو ⁂ کہ پائے نالہ دل سخت الجھا ہے سلاسل میں
نہیں گور و کفن تک بھی میسر وائے بربادی ⁂ پڑے ہیں خاک پر لاشے ہزاروں کوئے قاتل میں

مولوی شمس الحق صاحب خیال وکیل ریاست رامپور شاگرد تسلیم۔ عمر شریف آپ کی پینتیس ۳۵ سال کی ہو گی۔ دیرینہ تلامذہ میں ہیں مشق بہت اچھی ہے۔ گلدستہ منتخب شہر کلاوٹی کے ایڈیٹر تھے میرے دیرینہ واقف کار نکلے۔ صاحب خلق و کرم ہیں۔ استعداد بہت ہی زبردست رکھتے ہیں یہ کلام ہے

جب رخ سے ترے نقاب سرکی ⁂ آنکھیں روشن ہوئیں نظر کی
وہ شمع تری مثال شبنم ⁂ رو رو کے تمام شب بسر کی

کیوں شمع کو تم جلا رہے ہو ٭ مہماں ہے غریب رات بھر کی
دم بھر رہے ہو میری دوستی کا ٭ یہ آج ہوا چلی کدھر کی

حضرت فانی کے یہاں جوبلی پارٹی کی صحبت ہوئی تھی اوسی میں یہ غزل حضرت خیال نے پڑھی تھی شمع والا شعر عین اوسی وقت پڑھا تھا جب شمع محفل ہوا کے جھونکے سے بجھ گئی تھی اور جلانے کی کوشش کیجاتی تھی۔ ان اصحاب کے سننے کے بعد مجھکو یہ فتوے دینا پڑا کہ

شیدا و کلیم و صبر و تسخیر ٭ تسلیم کے ہیں یہ چار خنجر

اسیر لوگ پھڑک اٹھے۔ تلامذہ تسلیم کا جو ذکر حیات استاد میں کیا گیا وہ ذاتی مشاہدہ کی نظر سے نہ تھا بلکہ دور دور کی تحقیقات اسکا ذریعہ تھی بستی حبیب صاحب حبیب شاگرد تسلیم بستی قدرت علی خاں قدر شاگرد تسلیم یہ لوگ فصلی شعرا میں ہیں کوئی شعر انکا یاد نہیں رہا۔ علاوہ اسکے ہزاروں شاگرد طبقے کے رامپور میں موجود ہیں مگر وہ سب اپنی غزلوں کے پڑھنے والے جناب صادق دہلوی یادگار شہزادہ جامر حوم دہلوی بھی ملے تھے جنہوں نے تسلیم پر بیجا حملوں کی معافی چاہی تھی۔ اب میں اپنے اون احباب کا کلام پیش کرتا ہوں جسسے ناظرین کو غایت فرحت ہوگی۔ یہ حضرات پہلی ان صحبتوں میں برابر رہا کرتے تھے کمال افسوس ہے کہ طالب و محمود یادگار داغ کا کلام یاد نہ رہا۔ محمود خانصاحب محمود کا پڑھنا تو ایسا تھا کہ جناب داغ مرحوم کے پڑھنے کا دہوکا ہوتا تھا۔ خدا مغفرت کرے داغ کا ایک تذکرہ یاد آگیا

ایک صاحب فرماتے تھے کہ نواب کلب علی خاں صاحب کا عہد تھا۔ جوہر۔ قلق۔ اسیر۔ امیر۔ منیر۔ وغیرہ موجود تھے جب داغ صاحب کے پڑھنے کی نوبت آئی تو مشاعرہ گونج اٹھا اوس مشاعرہ میں منیر اپنی بے مثل غزل پڑھ چکے تھے۔ مگر وہ تمام ہم سفر یہاں کہاں تھے داد و تحسین نہ ملی۔ داغ کی واہ واہ

مرحوم منیر پر گراں گذری مشاعرہ سے باہر آکر داغ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیوں میاں داغ یہ کیا تمہاری غزل مجھ سے بھی زیادہ پر زور تھی داغ نے کہا ہرگز نہیں میری کیا طاقت کہ آپ کے سامنے زبان کھولوں مگر حضرت قبول خاطر و حسن سخن خداداد است" درمیان میں چند صاحب یہ گفتگو کرتے نظر آئے کہ یہاں غزلیں تو سب نے پڑھیں مگر جب زاغ بیابانی نے اپنا منہ نکالا تو پھر سارے عندلیب اپنا نغمہ بھول گئے داغ کو وہ داد ملی کہ اللہ اللہ خود نواب صاحب بہادر لوٹ لوٹ گئے۔ داغ نے منشی اسمٰعیل حسین منیر یادگار ناسخ سے کہا حضرت اب اس مقبولیت کو کیا کہیئے۔ منیر مرحوم چپ ہو گئے۔

کلام فانی۔ جناب مولانا نذیر حسین صاحب وکیل دربار رامپور۔ عمر شریف تقریباً پچاس سال۔ کسی کے شاگرد نہیں ہیں صرف اوستاد تسلیم کے معتقد تھے۔ سارے اساتذہ سلف کے رنگ کے دلدادہ ہیں علم فاضلانہ رکھتے ہیں پڑھتے بھی بہت خوب ہیں۔ دو دیوان اردو اور ایک فارسی کے مصنف ہیں غزل بھی خوب کہتے ہیں عوام رامپور صرف انکو غزل گو جانتے ہیں مگر یہ پرانا لطیفہ اوسوقت کہا جسوقت میری آپ کی ملاقات ہوئی خدا انکی عمر میں برکت دے صادق الوداد دوست ہیں۔ یہ کلام ہے۔

بتاؤ تو یہ بیت کیونکر مرا طرز فغاں سمجھیں ؎ نہیں انکی زباں سمجھوں نہ میری زباں سمجھیں
سینے میں درد پا کر دل کا چراغ آیا ؎ فوراً چراغ لیکر بیچارہ داغ آیا
وہ تو پوچھے بات۔ جسپر آ گئے دل ؎ اس ستم پر کیوں نہ پھر پھٹ جائے دل
صبح کو جس غضب کا ناز کرتی تھی صبا ؎ شام کو اب تر پڑا ہے سب ہی سامان گل

حضرت فانی نے کیا شعر کہا ہے واللہ لوٹ لیا

عنوان غزل گوئی

لکھنؤ کو شاعری جاتی تھی دلی مل گئی ؎ جو ہوا ودھر اکان کو سننے میں ہل گئی
ہے اکھاڑہ حسن کا ہندوستان اب کہیئے ؎ لکھنؤ کی جیتی ہیں یا کہ دلی والیاں

یہ دونوں شعر مرحوم امیر مینائی کے مطلع کے جواب میں ہیں۔
دعوے زبان کا لکھنو والوں کے سامنے ؛ اظہار اوسے مشک غزالوں کے سامنے
کلام اثر۔ جناب منشی واحد علیصاحب اثر نایب میر منشی ریاست
شاگرد رشید امیر مینائی۔ عمر شریف تقریباً پچپن سال۔ جمیع اقسام
نظم و علوم و فنون میں لایق و فایق و کامل ہیں۔ خوش خلقی آپکا حصہ ہے
ہر رنگ میں شعر کہتے ہیں نداق حال آپ کا اسقدر درست کہ سبحان اللہ
رامپور میں آپ کے کلام کے سمجھنے والے محض چند لوگ ہونگے۔ یہ دو مطلع
یاد ہیں۔
دم دیا ہے موت کو آرام پانیکے لیئے ؛ ہمنے آنکھیں بند کی ہیں نیند آنیکے لیئے
لطف کنار مادری کچھہ جو بلا فشار ہیں ؛ آتے ہی پڑ کے سوگئے چین سے ہم مزار میں
کاظم تلمیذ حضرت محسن کاکوروی۔ یہ بزرگ نعت گو ہیں عمر ساٹھہ سال
کی ہوگی۔ ایک شعر آپکا یاد ہے۔
مخلوق تک رہی ہے شفیع الامم کا منہ ؛ دیکھیں حضور داور محشر سے کیا کہیں
سبحان اللہ یہ نعت شریف ہے۔
بزم یادگار منیر مرحوم شاعر دربار رامپور۔ عمر تقریباً اڑتیس سال۔ بہت خوب
فرماتے ہیں اور بے تعصب اور بے تکلف شاعر ہیں۔ رنگ منیر سے
آپکا کلام الگ ہے۔ بنده
ہم اپنی جان سی شئے دیکے یہ احسان لیتے ہیں ؛ بکیں تو غیر کے بکتے ہوئے ارمان لیتے ہیں
مجکو بڑا صدمہ ہے کہ اس سفر میں ہمارے ساتھہ چند ہمنشیں اور معتقد نہ تھے مثلاً
جناب محمد حسن خانصاحب برق فرنگی محلی لکھنوی۔ جناب منشی حافظ ولایت اللہ
اثر شاہجہانپوری۔ جناب منشی منظہر حسین خورشید رہتکوی۔ اگر یہ لوگ ہوتے تو
توان جلسوں کے مزے اٹھاتے۔ دعا ہے کہ خدا انکی عمر میں ترقی عطا فرمائے۔
اور کسی آیندہ سفر کی بہار دیکھنا نصیب ہو۔ اب میں اس صحبت کو مرثیہ و تواریخ

اوستاد مرحوم پر تمام کرتا ہوں۔ جو سر دست تیار ہیں اور دوران سفر میں کہی گئی ہیں۔ تلمیذی جناب ابر سلمہ اللہ تعالے شاہجہانپوری نے بھی اوستاد مرحوم کی تاریخ مرگ بہت خوب کہی ہے۔

چل بسے تسلیم شاگرد نسیم ؎ رونق باغ سخن باقی نماند
از سر افسوس فکر سال ہجرت گفتم ؎ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

ماتم تسلیم

آہ اے بلبل گلزار سخن تیرے بغیر ؎ نوحہ خواں آج ہی ہر مرغ گلستاں ہی ہی
روؤں شبنم کو کہ سنبل کی پریشانی کو ؎ گل بھی آئے ہیں نظر چاک گریباں ہی ہی
کیوں نہ دوں موت کو تیری میں خزاں سے نسبت ؎ خاک اوڑاتی ہی صبا باغ ہے ویراں ہی ہی
لو دوبارہ ہوئی پھر موت نسیم و مومن ؎ روئیں اس غم میں نہ کیوں سارے سخنداں ہی ہی
اک تیری ذات سے روشن تھی ہر اک بزم سخن ؎ رہ گئی بجھ کے تو اے شمع شبستاں ہی ہی
لکھنوا یکطرف تجھسے تہا دلّی کو فخر ؎ کیوں نہ یہ غم ہو ہر اک کیلئے یکساں ہی ہی
آپ اے حضرت تسلیم ذرا چلتے وقت ؎ نہوے خادم دیرینہ کے پرساں ہی ہی
میں تہا از روز ازل عاشق و شیدائی کمال ؎ شمع ساں کیوں نہ لحد پر ہوں میں گریاں ہی ہی
اب تو دیوان کا چھپنا ہی میرے خواب و خیال ؎ اک دل خستہ تہا۔ وہ بھی ہے پریشاں ہی ہی
میرے آنیکی خبر سنکے کہاں چھپ گئی آپ ؎ سر بسر خاک بسر اور ہوں حیراں ہی ہی
شب ہے تاریک سفر طول ہی منزل دشوار ؎ کسطرف تو ہی چراغ مہ تاباں ہے ہی
رامپور۔ آج بلا کر یہ غضب داغ دیا ؎ جز ترے کون یہاں اپنا تہا پرساں ہی ہی
کس ضرورت کو یہاں آیا۔ ہوا کیا درپیش ؎ کیوں نہ اے اہل وطن عرش ہو نالاں ہی ہی
تہا جو منظور اجل کو کہ جدائی ہوتی ؎ وقت تو دیکھ کے کمبخت یہ آئی ہوتی

ولہ تاریخ انتقال حضرت تسلیم جنت مقیم

ہوا انتقال آج تسلیم کا ؎ زمانہ میں تہی مغتنم اونکی ذات
ہر اک علم میں۔ خوشنویسی میں بھی ؎ تھے اوستاد فن اور عالی صفات

وظائف سے ہر وقت مملو زباں ۔۔۔ نصیحت سے خالی نہ تھی کوئی بات
گئے آنکھیں بنوا کے جو لکھنؤ ۔۔۔ یہی بات تھی ایک وجہ ممات
ہوئے عمر کے ایکسو تین سال ۔۔۔ زمانہ نظر میں ہوا بے ثبات
غضب بست و ہشتم مئی کی تھی شام ۔۔۔ بنی گور کی اونکی وہ پچھلی رات
سن عیسوی میں کہا عرش نے ۔۔۔ "چراغ بہشت" اونکا سال وفات

ولہ دیگر

انتقال حضرت تسلیم سے ۔۔۔ آہ لطف شاعری جاتا رہا
مصرع منقوط لکھدو عرش تم ۔۔۔ لو چراغ بزم شعر اب بجھ گیا

ولہ در صنعت تعمیہ – از نتائج خاکسار عرش

اُٹھ گئے علامۂ تسلیم آج ۔۔۔ اُنکو جنت میں جگہ دے اے خدا
متقی و شاعر و صاحب ہنر ۔۔۔ پاک باطن نیک خصلت پارسا
اونکو رونیکے لیئے میری طرح ۔۔۔ ابر غم ہے ہر طرف چھایا ہوا
سال رحلت کی نکر تشویش و فکر ۔۔۔ کچھ نہیں ہے اسمیں موقع غور کا
از سر بزم سخن اے عرش کہ ۔۔۔ ہائے لطف شاعری جاتا رہا

قطعہ تاریخ وفات یادگار نسیم مرحوم حضرت تسلیم لکھنوی نور اللہ مرقدہ

نتیجہ فکر حضرت صفدر مرزا پوری
(ماخوذ از اردوئے معلی علیگڈہ)

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں ۔۔۔ تربت پہ اسکے کون نہیں نوحہ گر ہوا
چادر چڑھائی پھولوں کی روکر نسیم نے ۔۔۔ حسرت کے ساتھ ابر سیہ چشم تر ہوا
بیچین ہو گئے بلبل تسلیم صبر بھی ۔۔۔ بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا
اردو ہے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی ۔۔۔ کہتی ہے شاعری میرا ویران گھر ہوا
تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ لکھی
بگڑی زباں کا خاتمہ تسلیم پر ہوا

تقریظ جناب مولوی محمد احسن اللہ خاں صاحب ثاقب ایم اے پروفیسر فارسی علی گڑھ

سوانح حضرت تسلیم مرحوم کا مجموعہ میرے دوست جناب سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے مجھے دکھایا جناب عرش گیاوی کی جو حضرت تسلیم کے شاگرد ہیں اس کتاب کے مؤلف ہیں میں نے سرسری نظر سے اس نسخے کو جا بجا سے دیکھا کتاب دلچسپ ہے اور کہیں کہیں لٹریچر کے لطف سے بھی خالی نہیں ہے۔

ملک کو ضرورت ہے کہ اساتذہ اردو کے مکمل سوانح مرتب ہوں اور اس لحاظ سے جناب عرش کی یہ کوشش کہ انہوں نے ایک استاد کے حالات جمع فرمائے قابل تحسین ہے

اس کتاب میں بعض خاص تلامذہ حضرت تسلیم کا کلام بھی جناب عرش نے تحریر کیا ہے اور اوس مقام پر جناب حسرت موہانی کے اشعار لکھ دیے ہیں۔ چونکہ تعداد میں کم ہیں اس لیے چند شعر جو موصوف کے مجھے پسند آئے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگار عیش کی
اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

حسن بے پروا کو مغرور و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بے تابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

ہو چکی اب ہم گرفتاران غربت کو نصیب
آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

پیرہن اس نے جو پھولوں میں بسا رکھا ہے
شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی
دل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی
میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

اے قصر امارت کی ویرانی و بربادی
کس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا

اس درجہ دل پذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں
پنہاں لباس درد میں تیری صدا ہے کیا

ظلم عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغ عشق پا
اور یہ کیا تھا اگر اس کی خطا پوشی نہ تھی

رسالہ اُردوئے معلّیٰ علیگڈھ

کاغذ دیسی سفید لکھائی چھپائی پسندیدہ حجم ۴۸ صفحے ماہوار قیمت سالانہ
مع محصول صرف ۳ روپیہ نمونے کے تین متفرق پرچوں کا مجموعہ ۱۲ آنہ
مع محصول ڈاک خرچ ویلو میں روانہ کیا جاتا ہے۔ مقاصد
لٹریچر اور پالیٹکس درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن حسرت
موہانی بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلّیٰ علیگڈھ۔
(نوٹ) اُردوئے معلّیٰ کے ساتھ بطور ضمیمہ ہر ماہ اساتذہ قدیم
وجدید کے دواوین سے ایک کا انتخاب شائع ہوتا ہے رسالہ
کی قیمت مع دواوین ۴ روپیہ سالانہ مع محصول ہے
(نوٹ) دس یا بیس روپیہ یکمشت دیکر ہر شخص اُردوئے معلّیٰ یا
اردوئے معلّیٰ مع ضمیمہ کا دوامی خریدار بن سکتا ہے۔

قیمت فی جلد مع محصول ڈاک ۳ روپیہ مجموعہ عہ خرچ ویلو صرف ار

مثنوی سراپا سوز قاضی محمد صادق خاں اختر و مثنوی اسرار
محبت نواب محبت خاں محبت و طلعۃ الشمس سید آغا
علی شمس لکھنوی مع مختصر حالات اختر و محبت و شمس
مرتبہ حسرت موہانی بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلّیٰ علیگڈھ

اُردوئے معلّیٰ جلد دہم و یازدہم

یعنی اکتوبر ۱۹۰۹ء سے دسمبر ۱۹۱۰ء تک کے پندرہ پرچوں کا
نہایت دلچسپ قابل دید مجموعہ۔ صرف چند جلدیں باقی
ہیں جلد طلب کیجئے ورنہ پھر انکا ملنا مشکل ہوگا۔ عہ

المشتہر
مینیجر رسالہ اُردوئے معلّیٰ علیگڈھ سٹی

دیوان غالب
مع شرح
از سید فضل الحسن حسرت موہانی بی، اے
ایڈیٹر اُردوئے معلّیٰ علی گڈھ

جسکی خوبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تھوڑے ہی دنوں
میں اسکے دو اڈیشن چھپکر فروخت ہوگئے اور اب یہ
تیسرا اڈیشن عمدہ سفید کاغذ پر خوشخط و صحیح چھپکر آخر ماہ جون
تک تیار ہو جائیگا درخواست خریداری بہت جلد بنام
مینیجر اردوئے معلّیٰ آنا چاہئے فہرست مضامین (۱) دیباچہ (۲)
مقدمہ (الف) غالب کے حالات (ب) غالب کی شاعری (۳)
دیوان مع شرح (۴) ضمیمہ یعنی وہ غزلیں اور اشعار جو
اب تک مطبوعہ دیوان غالب میں موجود نہ تھے۔
(نوٹ) آخر ماہ جون تک درخواست کرنے والوں سے
محصول ڈاک اور خرچ ویلو نہیں لیا جاویگا۔

انتخاب اردوئے معلّیٰ

یعنی اُردوئے معلّیٰ کی گزشتہ پانچ سال کی دس
جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا انتخاب جسکی نسبت
دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دلچسپ
مجموعہ کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا قیمت ... عہ

دیوان مصحفی مرتبہ حسرت موہانی ۸ مع محصول ڈاک
دیوان قایم چاندپوری مرتبہ حسرت موہانی ۱۲ " " "
دیوان میر سوز مع مقدمہ حسرت موہانی ۳ " " "
دیوان حسرت استاد جرات " " " ۱۲ " " "
دیوان شیفتہ دہلوی " " " ۸ " "
دیوان میر حسن صاحب مثنوی " " ۸ " "

المشتہر
مینیجر رسالہ اردوئے معلّیٰ علی گڈھ سٹی